جلد 25 شمارہ 2 ماہ فروری 2023ء رجب / شعبان 1444ھ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

صفحہ نمبر	مصنف	مضمون
1	ادارہ	دل کی بات
4	ادارہ	پیامِ قرآن، فرمان نبویﷺ
6	ماجد محمود توحیدی	ندائے عارف
11	عبدالقیوم ہاشمی	صدائے حق
26	علامہ محمد معراج الاسلام	حشر میں بندوں پر رحمت کی برسات
32	سید ابوالحسن ندوی	تصوف وسلوک ایک الہامی نظام
37	اشفاق احمد	سرالیگزنڈر فلیمنگ سے ایک ملاقات
40	مولانا وحیدالدین خان	اسم اعظم کیا ہے
42	محمد عبدالہادی العمری	اخوتِ اسلامی معاشرے کی بنیاد
50	ایم انور بن اختر	جوانی کے دشمن
56	ڈاکٹر اظہر وحید	غصہ اور برداشت

دل کی بات

بانئ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے مسلمانوں کی موجودہ پستی کی مختلف وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ یہ بتائی ہے کہ ''مسلمانوں نے قرآن کے خلاف عقیدے گھڑ رکھے ہیں اور ان پر قائم ہو کر قرآن اور اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے۔''

قرآن کریم کا کھلے ذہن کے ساتھ مسلسل مطالعہ اور خود احتسابی ہمیں اس قابل کر دیتی ہے کہ ہم ذہنی طور پر قرآن کے پیش کردہ افکار و نظریات کو اپنا لیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے منسلک ہو کر ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم اللہ کے طالب ہیں ،اب اگر ہمیں اس دعوے کی حقیقت جاننی ہے تو اپنے افکار و اعمال کا جائزہ لینا پڑے گا کہ کیا جو ہم سوچتے اور جس طرح کے اعمال کرتے ہیں، وہ قرآن کے مطابق ہیں! نیز بانئ سلسلہ کی تعلیمات پر کتنی سرگرمی سے عمل پیرا ہیں، یہ دونوں اصول ہمیں اپنی پوزیشن ، ایمانی کیفیت کو سمجھنے میں بنیادی کردار ادا کریں گے۔

قرآن کریم کا بارہا بیان کردہ ایک عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو مال و دولت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم عطاء کرتا ہے۔(سورۃ سبا:39-36)مذکورہ عقیدے کو دِل سے تسلیم کرنا بہت ہی کٹھن و مشکل کام ہے، اگرچہ منہ زبانی ہر کلمہ گو اس بات کو دوہراتا رہتا ہے۔ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدے میں دیکھتے ہیں کہ انسان جس حد تک دنیا پر کوشش کرتا ہے اسی نسبت سے زیادہ یا کم کماتا ہے جو لوگ بظاہر زیادہ عقل والے اور ہوشیار ہوتے ہیں

، زیادہ روپے کماتے اور دنیا میں آگے نکل جاتے ہیں۔اب روزمرہ مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے تو یقیناً وہی عقیدہ بن جائے گا جو ہر آدمی کا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کی بناء پر کمائی گئی دولت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھے گا اور اپنی من مرضی سے اس میں تصرف کرے گا۔ایسے انسان کیلئے قرآنی عقیدے کے مطابق اپنی فکر کو ڈھالنا قریب قریب ناممکن ہوگا، مثلاً ایک شخص روزانہ 12 گھنٹے نوکری کر کے مہینے بعد تنخواہ لیتا ہے تو وہ یقیناً یہ سمجھے گا کہ اس کمائی میں اس کی صلاحیت کا دخل ہے،اسی طرح ایک آدمی کاروبار جمانے کیلئے سخت محنت کرتا ہے اور اپنا آرام و صحت نظر انداز کر کے جب وہ پیسے کمالیتا ہے تو وہ بھی کمائی گئی دولت کو اپنے زور بازو کا کمال سمجھے گا۔

مذکورہ عقیدے کو قرآن کی نظر سے دیکھیں تو وہاں اس کو کفر اور شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔اللہ کریم نے **سورۃ الکھف** (آیات:32-44) میں دو آدمیوں کے واقعے کے ذریعے اس عقیدے کو سمجھایا ہے۔جس میں سے ایک کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انگوروں کے دو بہترین باغات، اولاد اور دولت سے نوازا تھا، باغات کے اردگرد کھجور کے درختوں کی باڑ اور درمیان میں کھیتی تھی نیز ایک نہر جاری تھی۔دونوں باغات اپنے جوبن پر تھے اور خوب پیداوار دیتے تھے۔اس کیفیت کو دیکھ کر وہ شخص بھی دنیاداروں کی طرح یہ عقیدہ بنا بیٹھا کہ یہ سب کمائی اس کی عقلمندی اور محنت کی وجہ سے ہے اور آخرت کا انکار ان الفاظ میں کر بیٹھا کہ اوّل تو یہ تباہ نہیں ہوسکتا دوم یہ کہ بفرض محال اگر قیامت آ بھی گئی تو وہاں بھی یقیناً میرا اس دنیا کی طرح بہترین مرتبہ ہوگا ان خیالات کے اظہار پر اس کے ساتھی نے اسے ٹوکا کہ تم نے صریحاً کفر کیا ہے۔اپنی حقیقت پر غور کرو کہ تمہیں تو اللہ نے مٹی اور بعدازاں ایک قطرے سے تخلیق کیا ہے۔مجھے تم مال و اولاد میں کم تر ہونے کا طعنہ دیکر جو گھمنڈ اور کفریہ

کلمات بول رہے ہو، ان کی سزا پر اللہ تعالیٰ تمہیں قلاش کر دے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ باذن ربی تباہ و برباد ہوا اور اس کے پچھتانے کے سوا کوئی ایسا منصوبہ نہ تھا کہ وہ اس کو دوبارہ پرانی حالت میں لوٹا سکتا اور بولا کہ ''کاش! میں اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا'' (42)

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے کسی دیوی یا بُت کے آگے سر نہیں جھکایا تھا صرف اپنی سوچ میں یہ سمجھا تھا کہ اس کامیابی و خوشحالی میں اس کی صلاحیتوں اور عقلمندی کا دخل ہے جس کو قرآن کریم نے شرک اور کفر سے تعبیر کیا ہے اور ہمارے ذہنوں میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ یہاں حکومت صرف اللہ سچے کی ہی ہے۔

اس قرآنی عقیدے کو پیدا کرنا انتہائی مشکل مگر ناممکن نہیں۔ بطور توحیدی اگر ہم بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق بزرگوں کی صحبت، ذکر اور تزکیہ اخلاق پر پیہم عمل پیرا رہیں تو اس کیفیت کو قرآنی بیان کے مطابق محسوس کر سکتے ہیں اگر کوئی سالک سمجھے کہ اس میں مذکورہ قرانی عقیدہ ٹھیک ٹھیک پیدا ہو چکا ہے تو وہ راہِ خدا میں اپنے خرچ کرنے کی صورت حال کا جائزہ لے کہ اس کی کمائی میں اللہ کا حصہ کتنے فیصد ہے اور ایسا خرچہ کرنے کے بعد اس کی قلبی کیفیت کیا ہے، خوشی و اطمینان ہے یا تنگی و پچھتاوا ہے۔ نیز کیا وہ بانیٔ سلسلہ انصاریؒ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اڑھائی فیصد ماہانہ چندہ دے رہا ہے، مالی طور پر کمزور پیر بھائیوں کی خدمت بجا لاتا ہے۔ اللہ کریم سے دست بستہ دُعا ہے کہ وہ ہمیں توکل اور اپنی معرفت کی حقیقتوں سے آشنا کر دے۔ آمین!

پیامِ قرآن

حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُواْ لِلّهِ قَانِتِينَ. فَإنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُواْ اللّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ. (سورۃ البقرہ۲۔ آیت۲۳۹_۲۳۸)

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو۔اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں بدامنی کی حالت ہو،تو خواہ پیدل ہو، خواہ سوار ہو، جس طرح ممکن ہو، نماز پڑھو۔اور جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو، جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَل لِّيَ آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلاَّ تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ إِلاَّ رَمْزاً وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيراً وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالإِبْكَارِ. (سورۃ آل عمران۳۔آیت۴۱)

(حضرت زکریاؑ کو بیٹے کی خوشخبری پر) عرض کیا مالک پھر کوئی نشانی میرے لئے مقرر فرما دے۔ کہا "نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا بات نہ کرو گے (یا کر سکو گے) اس دوران میں اپنے رب کی بہت یاد کرنا اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. (سورۃ آل عمران۳۔آیت۱۳۵)

اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے (فوراً اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں) اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے ہاں ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے پھر جواب دیا کہ اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ فرض ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے احسان کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا (البتہ) میں تمہیں اس کی نشانیاں بتلا سکتا ہوں۔ وہ یہ ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب سیاہ اونٹوں کے چرانے والے (دیہاتی لوگ ترقی کرتے کرتے) مکانات کی تعمیر میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے (یاد رکھو) قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی کہ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ وہ کب ہوگی (آخر آیت تک) پھر وہ پوچھنے والا پیٹھ پھیر کر جانے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے واپس بلا کر لاؤ۔ لوگ دوڑ پڑے مگر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ امام ابو عبداللہ بخاری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان تمام باتوں کو ایمان ہی قرار دیا ہے۔

(صحیح بخاری)

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

☆...... باباجی انصاری صاحب کی تعلیم میں بڑا اثر ہے۔ ویسے بھی یہ مشہور ہے کہ دل سے نکلی ہوئی بات جو ہے وہ اثر رکھتی ہے۔ باباجیؒ کی دل سے نکلی ہوئی باتیں جو ہیں یہ اثر رکھتی ہیں۔ ہم لوگوں میں بنیادی طور پر جو کمزوری ہے وہ عمل کی کمی ہے۔ ہم لوگ عمل نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ویسے ہی سارا کچھ ہو جائے۔ ایسے تو ہوتا نہیں کوئی کام بھی دنیا کا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت دے، استقامت دے، باباجیؒ نے جو باتیں ہمیں بتائی ہیں، نہایت مختصر اور انتہائی مؤثر، ہم ان پر چل پڑیں۔ ان پر دل کی گہرائیوں سے عمل کرنا شروع کردیں تو یہی الفاظ شاید ہم سے بھی ادا ہوں اور ان سے مخلوق خدا کی خدمت ہو سکے اور وہ ان تعلیمات سے فیضیاب ہو سکے۔ آپ جیسے جو متاثر لوگ ہیں یہ آگے بڑھیں گے تو کام ہوگا۔ ہمیں تو معاشرے کی خدمت کرنی ہے۔ آگے جو اللہ کو منظور رہوا، ہم اس پر راضی ہیں۔ ہمارا یہ کام ہے کہ ہم سے جو ہو سکتا ہے وہ ہم کریں۔ آپ کی تعلیم سے، آپ کی تحریک سے کوئی ایک آدمی بھی متاثر ہو کر اللہ اللہ کرنا شروع کردے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ ہم اگر کوشش کر کے اسے اپنی نجات کا ذریعہ بنانے کی کوشش کریں تو اللہ بھی ہماری مدد کرے گا اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ!

☆...... ایک مہمان نے جاوید احمد غامدی صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے سوال کیا کہ ان کی رائے میں تصوف یا طریقت شریعت کے متوازی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس سے انسان اپنے روحانی درجات کو بلند کر سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے کہ یہ تصوف قرآن سے ثابت نہیں ہے؟

جواب میں قبلہ حضرت نے فرمایا: محترم! ہمیں جو تعلیم ملی ہے اس کے مطابق جسے ہم تصوف

کہہ رہے ہیں اس کا سلسلہ قرآن سے ملتا ہے۔ یہ اس تعلیم کا حصہ ہے جو ڈیوٹی تھی پیغمبر خدا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یہ آپ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ تصوف بھی سکھاتے تھے۔ اُس وقت اس کا نام تصوف نہیں تھا، اس کا نام حکمت تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے؛

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۱)

ترجمہ: ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے، جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ جو حکمت ہے اصل میں یہی چیز تصوف ہے اور یہی تصوف کی تعلیم ہے۔ اور اسی طرح جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ

يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْراً كَثِيراً.

(سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۲۶۹)

اس میں بیان ہے کہ جس کو ہم نے حکمت عطا کی اس کو ہم نے خیر کثیر عطا کی۔ حکمت کو خیر کثیر قرار فرمایا۔ اس کا یہ بھی ہے کہ خیر کثیر ہر ایک کو نہیں ملتا۔ یہ صرف اولوالباب کو ملتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ایسا ہی ہوتا آیا۔ جو دانشمند لوگ اللہ نے مبعوث فرمائے، اس دنیا میں پیدا کیے، انہیں یہ خیر کثیر عطا ہوا اور انہوں نے اس دنیا میں یہ ظاہر کیا۔ ان کو پوری دنیا جانتی ہے۔ آج شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی سے کون انکار کرسکتا ہے؟ داتا صاحبؒ، یہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اور ایسے جو اولیائے کرام گزرے ہیں کیا ان کی Existence (وجود) سے کوئی انکار کرسکتا ہے؟ آپ ان صاحب سے بھی کہیں کہ وہ اس سے انکار کر کے دکھادیں۔

اس مہمان نے کہا کہ کیا بس یہی آیت ہے کہ جس کی بنا پر ہم تصوف کا دعویٰ کرتے ہیں؟

اس کے جواب میں آپؒ نے فرمایا: یہ تو الگ سے ایک آیت ہے۔ خود حضورﷺ کی Duties (فرائض) میں یہ شامل ہے۔ جہاں جہاں حضورﷺ کی Duties بیان ہوئی ہیں کہ ہم نے آپ کو اس کام کے لئے بھیجا ہے تو اس میں حکمت شامل ہے۔

مہمان نے اس کے جواب میں کہا کہ اس طرح تو ہم نے کبھی نہیں سنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد بھی۔

اس پر آپ نے فرمایا: جو اصحاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت میں بیٹھتے تھے ان کو یہ ساری چیزیں میسر آ جاتی تھیں۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ سے ذکر اذکار نہیں سکھایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی کافی تھی۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنا ہی، آپ کی نظر مبارک سے ہی یہ سارے کام خود بخود ہو جاتے تھے جو تصوف کا Out put (ماحصل) ہے۔ تصوف کا جو ماحصل ہے وہ حضور ﷺ کی توجہ مبارک سے ہی میسر آ جاتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بزرگان نے یہ جو تصوف کی تعلیمات رائج کی ہیں یہ اُس فیضان کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اس فیضان کیلئے الگ سے ذکر اذکار کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی وہ سب کچھ جواب ذکر سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ آپ ﷺ کی صحبت میں خود بخود ہی میسر آ جاتا تھا۔ (اس سے آگے مزید بات جاری تھی جو انٹرنیٹ کنکشن کی کمزوری کی وجہ سے منقطع ہوتی رہی۔)

اسی مہمان نے دوسرے مذاہب کے لوگوں میں مختلف مشقوں سے پیدا ہونے والی روحانیت کے حوالے سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

یہ جو غیر مسلم اور یہودی ہیں آپ ان میں بہت زیادہ دیکھیں گے۔ عیسائیوں میں بھی دیکھیں گے۔ ہم میں بھی بہت زیادہ ایسے لوگ ہیں جن کا اسلام سے کوئی اتنا تعلق نہیں ہے مگر ان میں روحانیت ہے۔ ہم جو ذکر اذکار اور یہ جو اللہ اللہ کرتے ہیں، ہمیں جو روحانیت اور اس کے ساتھ جو کچھ ملتا ہے اس کا معاملہ اُن سے الگ ہے۔ اللہ کے ساتھ ہمیں ایک رابطہ ملتا ہے جبکہ یہ انہیں نہیں ملتا۔ بزرگی اور روحانیت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ روحانیت بالکل الگ چیز ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھیں کہ ہر بزرگ میں تھوڑی بہت روحانیت ہوتی ہے۔ ہر وہ شخص جس میں روحانیت ہے وہ بزرگ نہیں بن سکتا۔ انسان بزرگ صرف اللہ کی اطاعت میں، اللہ کے احکامات پر عمل کرنے سے بنتا ہے، اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی عبادات اور احکامات پر عمل کرنے سے جو اللہ کا قرب ملتا ہے وہ کسی طرح بھی روحانیت کے طریقوں اور مشقوں پر عمل کرنے سے نہیں ملتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

اطاعت میں انسان جو اللہ کے احکامات پر عمل کرتا ہے تو اسے بھی روحانیت ملتی ہے اس پر مزید ایک چیز جو اللہ نے خود Create (پیدا) کی ہوئی ہے یہ اللہ کا قرب ہے، جسے ہم بزرگی اور اللہ کا قرب کہتے ہیں۔ اس (بزرگی) میں اور اُس (روحانیت) میں بہت فرق ہے۔ وہ کہاں اور یہ کہاں۔ یہ مٹی اور سونے والا مسئلہ ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ وہ روحانیت ہوتی ہے لیکن وہ بزرگی نہیں ہوتی۔

اس مہمان نے کہا کہ ذہن میں کافی سوالات آتے ہیں جو میں پوچھنا چاہتا ہوں مگر ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ معاملہ گستاخی والا ہو جائے۔ اس پر آپ نے فرمایا: آپ کی جو باتیں ہیں آپ پوچھیں۔ ایک دفعہ نہیں انہیں بار بار پوچھیں۔ اپنے ذہن کو ہر طرح Clear (صاف) کریں۔ ہم ان باتوں کا کوئی برا نہیں مناتے۔ ہمارے باباجی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معاملے میں بڑے Straight forward (صاف گو) تھے۔ ہر کسی سے کہتے تھے کہ کھل کے بات کرو اور دوستانہ ماحول میں کرو۔ آپ کا جو پوچھنے کا انداز ہے وہ تفہیم کا ہونا چاہئے۔ بحث نہ ہو۔ سمجھنے کے لئے آپ جو چاہیں بات کریں۔ بحث بالکل نہیں کرنی چاہئے۔ بحث سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

مہمان کو ان باتوں سے کچھ تسلی ہوئی تو اس نے کہا:

سلوک کی راہ میں یہ جو منازل آتے ہیں، جو Picturize (تخیل میں) کیے ہوئے ہیں ہم نے کہ اتنے عرصے بعد یہ مرحلہ شروع ہوگا اور اتنے عرصے بعد یہ مرحلہ شروع ہوگا۔ کیا یہ ایسا تو نہیں ہے کہ یہ ہمارے اپنے دماغ کی تخلیق ہوں چونکہ دماغ اپنی طرح بڑا عجیب سا کام کرتا ہے کہ اس میں پہلے ڈال دیا جائے کہ اس طرح کا ایک مرحلہ آئے گا کچھ عرصے کی ریاضت کے بعد، اتنے عرصے کی کوشش کے بعد، یا اتنی تسبیح کرنے کے بعد۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جو مرحلے ترتیب دیے گئے ہیں۔ کافی سارے مراحل ہیں آخر تک جانے کے لئے۔ یہ مراحل کا ذکر اور ان ساری باتوں کا ذکر جیسے اب کھل کر کیا ہوا ہے جیسے 'تعمیر ملت' میں بھی قبلہ حضور نے بڑے اچھے طریقے سے اس کا بیان کیا تھا تو یہ مراحل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یا ان کے بعد ان کے صحابہ نے، انہوں نے کیوں نہیں بیان کیے؟ میں نے کبھی اُن کی طرف منسوب ایسی کوئی تحریر نہیں پڑھی کہ اللہ سے ملنے کیلئے یا اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس طرح کے منازل آئیں گے اور یہ یہ طبقات آپ کو Clear (پار)

کرنے پڑیں گے۔ یہ ان کے زمانے میں نہیں تھا اور پھر صحابہ کے زمانے میں بھی کیوں نہیں تھا؟

مہمان کی اس بات کے جواب میں آپ فرمانے لگے:

یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب کچھ ایسا ہی ہوگا۔ باباجیؒ نے بھی لکھا ہوا ہے "تعمیر ملت" میں کہ یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے، جیسے جیسے حالات وارد ہوئے ہیں ہم نے اُس کے مطابق یہ تحریر لکھی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کچھ ایسے ہو۔ اس میں جو روحانی ساخت ہوتی ہے اس ساخت کے مطابق یہ ورود ہوتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ جس کی روحانی ساخت مختلف ہو اس کو بالکل اور طریقے سے ان کی سمجھ آتی ہو۔ باباجیؒ نے یہ بات صاف لکھی ہے کہ مجھے یہ اس طریقے سے سمجھ آئی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ باقی لوگوں کو بھی اسی طریقے سے سمجھ آئے۔ یہ بالکل Fact (حقیقت) ہے۔ ہماری سب کی ظاہری شکل و شباہت مختلف ہے، یہاں تک کہ انگلیاں تک آپ کی مختلف ہیں۔ روحانیت اس سے Waste (وسیع) اور بہت بڑا Subject (مضمون) ہے۔ اُس میں تو آپ بالکل ایک دوسرے سے مخالف بھی جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بات کسی کو یا باباجیؒ کو ایک طرح سے سمجھ آئی ہے وہ آپ کو بھی ویسے سمجھ آئے۔ یہ ضروری نہیں ہے، ہر ایک کو اس کی روحانی ساخت کے مطابق سمجھ آئے گا۔ آپ کو آپ کی روحانی ساخت کے مطابق سمجھ آئے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو صحابہ کبار تھے انہیں اُن کی روحانی ساخت کے مطابق سمجھ آئی ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی باتیں اور پیشین گوئیاں جو ہیں وہ بہت ساری تحریر ہیں۔ یہ لازمی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کو بھی آپ ﷺ کے فیضانِ نظر سے وہ سب کچھ ویسے ہی نظر آیا ہو اور نہ ہی یہ ایسا کہیں بیان ہوا ہے۔ انہیں جو نظر آیا آگے انہوں نے اسے ویسے بیان کیا (بات ابھی جاری تھی جس کا تسلسل انٹرنیٹ رابطہ ٹوٹنے سے منقطع ہوتا رہا اور بات مکمل نہ ہو سکی)

(آن لائن محفل مورخہ ۸ جنوری ۲۰۲۲ء کی گفتگو سے اقتباسات)

صدائے حق

(مرکز تعمیر ملت پر توحیدی بھائیوں سے خطاب بتاریخ ۷ جولائی ۲۰۱۹ء)

(عبد القیوم ہاشمی ۔گوجرانوالہ)

آج الحمد للہ! ہم اپنے اکابرین جناب حضرت خواجہ عبد الحکیم انصاریؒ اور قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب کی یاد میں اس مجلس کا انعقاد کر رہے ہیں ۔اس حوالے سے اظہارِ خیال میں میں سمجھتا ہوں کہ ان کی جو پوری زندگی کی کاوشیں ہیں او رجد و جہد ہے، ہمیں چاہیے کہ اسی کو اپنے اظہارِ خیال میں لے کے آئیں، بار بار اس کا تکرار کریں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات ہیں ان کو بار بار ایک دوسرے کو یاد کرائیں ۔کیونکہ الحمد للہ! ہمارے ان بزرگوں نے اپنی نفسی خواہشات سے بالا ہو کر قرآن وسنت کی صحیح تعلیم ہم تک پہنچانے کی کوشش کی ۔بانی سلسلہؒ تو فرمایا کرتے تھے کہ اس حوالے سے اگر کوئی سمجھے کہ قرآن وسنت کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کی کوئی بات نہ ہو تو مجھے آگاہ کرے میں خوشی سے اس میں ترمیم کرلوں گا ۔یہ بہت بڑے ظرف کی بات ہوتی ہے ۔انہوں نے ایک بہت بڑا تحقیقی کام کر کے موجودہ زمانے کے تناظر میں ہمارے لئے یہ ایک آسان طریقے سے ایک عملی حل دے دیا تا کہ اللہ کے مقربین والی جولائن ہے، اس کا حصول ممکن ہو سکے ۔اب جس طرح کا یہ دور ہے جس طرح کے اس دور کے تقاضے ہیں اس حوالے سے بہت سی چیزیں ہمارے ہاں حائل ہو جاتی ہیں ۔انہوں نے ایک آسان حل ہمیں دے دیا، ایک فارمولا بنا کے دے دیا اگر ہم اس پر عمل کریں گے تو انشاء اللہ! اللہ کے مقربین والی اور سابقون والی جولائن ہے اس گروہ میں ہم شامل ہو جائیں گے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے ہم ایک گولی کھاتے ہیں پیناڈول کی ۔سر میں درد ہورہا ہے، دو گولی پیناڈول کی لیں، چائے کا ایک کپ پیا تو دیکھیں گے دو گھنٹے میں یہ سر درد ٹھیک ہوگیا۔آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگئے ۔فریش ہوگئے ۔اب وہ جو گولی ہے وہ ایک نسخہ ہے، ایک فارمولا ہے جس پر کسی نے تحقیق کی ہوگی ۔کسی نے یا بہت سارے سائنس دانوں نے اس پرغور کیا ہوگا۔ یہ ڈاکٹر حضرات جو ہیں انہوں نے اس پر تحقیق کی ہوگی ۔برس ہا برس کی تحقیق کے بعد، اس کے تجربات بھی کسی پر کئے ہوں گے ۔ان تجربات کے بعد جب انہوں نے اس کے مفید یا مضر جو بھی نتائج ہیں ان کو دیکھ کر انہوں نے اخذ کیا کہ اب یہ عام پبلک کے لئے اس گولی کو جاری کیا جائے، کمرشلائز کردیا جائے ۔

جس طرح ہم ایک پیناڈول کی گولی کا ڈاکٹر سے بھی نہیں پوچھتے، دو گولی کے ساتھ پانی کا گلاس لیتے ہیں اور سر درد ٹھیک ہوجاتا ہے تو یقین جانئے کہ ہمارے بزرگوں نے دین کے حوالے سے ہمیں جو تعلیمات دی ہیں اسی فارمولے، اسی نسخے کے مطابق انہوں نے تحقیق کی ہے ،انہوں نے غور وفکر کیا ہے۔ زمانے کے حالات و واقعات کے مطابق دیکھا ہے اورانہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ کا ذکر کس طرح کرنا ہے۔ذکر کثیر جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس پر آپ نے کس طرح پورا اترنا ہے۔پاس انفاس ہے، نفی اثبات ہے، یہ کرنا ہے۔اس کا حاصل کیا ہے۔اس سے آپ کو کیا حاصل ہوگا۔اخلاق کا تزکیہ کرنے کی آپ نے کس طرح مشق کرنی ہے۔یہ ساری چیزیں، یہ سارے Practicals بانی سلسلہؒ نے کیے۔ان کو ہم اس لئے ایک محقق کے طور پر یاد رکھتے ہیں۔انہوں نے اس پر ریسرچ کی ہے ۔اس حوالے سے آپ دیکھیں کہ یہ جو اللہ کی یاد ہے یہ سب اخذ شدہ قرآن وسنت سے ہے ۔کوئی اس سے باہر نہیں ہے۔کوئی بدعت والی بات یا کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

آپ دیکھیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، نوافل، قرآن پاک کی تلاوت، ٹھیک ہے۔
لیکن اللہ تعالیٰ نے ذکر کثیر کا حکم بھی دیا ہوا ہے جس کو ہمارے بعض علماء ضروری نہیں سمجھتے۔
اگر آپ نے وہ سابقون والی لائن پکڑنی ہے، اللہ سے دوستی والی لائن، اونچے درجات والی لائن تو یہ کثرت ذکر جو ہے یہ لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؛

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً. (سورۃ الاحزاب ۳۳۔ آیت ۴۱)

"اے ایمان والو، اللہ کی یاد کثرت کے ساتھ کرو"۔

پھر یہ ہے کہ صرف نماز ہی ذکر نہیں ہے، ذکر اس کے علاوہ بھی کرنا چاہئے۔
نماز ذکر ہے مگر وہ ایک پیٹرن میں ہے کہ یہ آپ نے پڑھنی ہے تو اسکے لئے وضو بھی کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے آپ کا لباس صاف ہونا بھی ضروری ہے، جگہ بھی پاک صاف پر آپ نماز پڑھیں گے، وہ ایک مخصوص ماحول اور مخصوص وقت کے لئے آپ اس عبادت کو کریں گے۔
نوافل کیلئے بھی وہی Conditions ہیں لیکن جو ذکرِ کثیر یا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس کیلئے قرآن کریم میں آتا ہے کہ؛

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَقُعُوداً وَعَلٰی جُنُوبِهِمْ. (سورۃ آلِ عمران۔ آیت ۱۹۱)

فَإِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَاماً وَقُعُوداً وَعَلٰی جُنُوبِکُم.

(سورۃ النساء ۴۔ آیت ۱۰۳)

اس میں بھی وہی بات آئی ہے کہ "جب تم نماز ادا کر چکو تو اسی طرح کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو"۔ پھر آتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَن تَزَکّٰی ۔ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی۔ (سورۃ الاعلیٰ ۸۷۔ آیت ۱۵-۱۴)

تو اس میں کیا ہے؟ وہ فلاح پا گیا۔ یقیناً سو فیصد کامیاب ہو گیا۔ جس نے اپنے

آپ کو سنوارا۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ ۔اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا۔فَصَلَّى۔اور پھر نماز پڑھی ۔ یہ اس کی اصلاح کے لئے نماز اور ذکر کا علیحدہ علیحدہ کہا گیا۔اور بھی آیات ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ نے نماز کے علاوہ بھی اللہ کی یاد کو اپنے اوپر غالب کرنا ہے۔بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ذکرِ کثیر کا جو اطلاق ہوتا ہے وہ اگر آپ چوبیں گھنٹے میں سے بارہ گھنٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ ذکرِ کثیر کی Catagory میں نہیں آتے۔آپ بارہ گھنٹے اور ایک منٹ اگر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ ذکرِ کثیر والے لوگوں میں شامل ہوں گے۔تو سابقون والی لائن کے لئے یہ بہت ہی ضروری ہے۔

اب کثرتِ ذکر جو ہے اس میں ہمیں پاس انفاس بھی بتایا گیا ہے۔اب پاس انفاس میں یہ ہے کہ ہمیں ایک چیز مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس میں اللہ کی یاد میں اللہ کو دیکھنے کی خواہش بھی پیدا ہونی چاہیے یعنی ذکر نفس میں کرنے کا مطلب خواہشِ دیدار کے ساتھ پاس انفاس کیا جائے۔یہ خفی ذکر ہے۔خفی ذکر کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ پسند بھی کیا ہے۔

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً (سورۃ الاعراف ۷۔آیت ۲۰۵)

اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قلبی اور خفی ذکر کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِيْ وَلاَ تَكْفُرُونِ. (سورۃ البقرہ ۲۔آیت ۱۵۲)

''تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا''۔

یہ ساری آیات جو ہیں یہ ہمیں کثرتِ ذکر کی طرف راغب کرتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے اسے ہمیں حکم سمجھ کر ہی کرنا چاہیے۔اس میں کسی وضو کی، طہارت کی کوئی قید نہیں ہے۔اس میں آپ کے کوئی جسمانی Posture کی کہ آپ لیٹے ہوئے ہیں، اُلٹے سیدھے ہیں

،طہارت کی ضرورت ہے،آپ نے غسل کرنا ہے پھر بھی آپ یہ ذکر کر سکتے ہیں اور یہ خفی ہے۔یہ اندر ہی اندر قلبی ذکر ہے آپ کا۔اس کو آپ نے کرنا ہے۔اس میں کوئی رکوع وسجود نہیں ہیں۔آپ بلند آواز سے کرتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے،آپ انفرادی طور پر کرتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے،آپ اجتماعی طور پر کرتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔کیفیت کی بھی کوئی قید نہیں ہے کہ آپ نے کسی خاص کیفیت میں بیٹھ کے یہ ذکر کرنا ہے جیسے نماز کے لئے ہمیں ایک خاص کیفیت بنانا پڑتی ہے، ایک ماحول بنانا پڑتا ہے،اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھ لیں۔مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے،ایک متعفن ماحول تھا وہاں کا،بدبودار تھا،پیٹ کے اندر بہت بدبو ہوتی ہے تو اس میں آپ دیکھیں کہ اللہ کے یہ نبی جو ہیں انہوں نے وہاں کہا۔

لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ. (سورۃ الانبیاء ۲۱۔آیت ۸۷)

اپنے ربّ کی پاکی بیان کی۔اللہ کا ذکر کیا وہاں پر،تسبیح کی۔وہاں وہ غلاظت والا ماحول تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو انہوں نے وہاں پہ یاد کیا تو اللہ نے ان کو وہاں سے نکالا۔یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر غلاظت کے ماحول سے ہمیں نکالتا ہے،ہمیں پاکیزہ بناتا ہے۔یہ اس سے بھی ثابت ہے بلکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مچھلی والا ،حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی والا کہا گیا ہے کہ اگر وہ وہاں پر اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتا تو وہ وہاں قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتا۔

یہ ذکر آپ یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا ذریعہ ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں تو وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ. (سورۃ الواقعہ ۵۶۔آیت ۱۰)والے یہی لوگ ہوں گے۔أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ. (سورۃ الواقعہ ۵۶۔آیت ۱۱)مقربین۔ کثرتِ ذکر جو ہے اس کے بغیر کوئی یہ نہ سوچے کہ وہ اللہ کے قرب والی لائن پر چل سکتا ہے یا

اسے حاصل کر سکتا ہے۔ ایک تو یہ بات ہے جو ہمارے بزرگوں نے ہمیں بتائی۔ باباجی ڈار صاحبؒ کا ہر وقت فوکس ہی یہی ہوتا تھا۔

دوسرا آپ دیکھیں کہ قرآن کریم میں بھی اللہ پاک یہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام کا طریقہ کار کیا تھا۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ

تَرَاھُمْ رُکَّعاً سُجَّداً یَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَاناً۔ (سورۃ الفتح ۴۸۔ آیت ۲۹)

تم انہیں یعنی رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو رکوع وسجود میں دیکھو گے اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔

ہمارا جو زندگی کا مقصد ہے جس طرح کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ (سورۃ الاعراف ۷۔ آیت ۱۷۲)

عہد الست میں ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم آپ ہی کو اپنا ربّ مانتے ہیں اور دنیا میں جا کے آپ ہی کے احکامات پر ہم عمل کریں گے۔ یہاں پر آ کے ہم یہ بھول جاتے ہیں ہمارے یہ بزرگ ہمیں اسی عہدِ الست کی یاددہانی کراتے ہیں۔ ذکر اللہ جو ہے یہ اللہ کو بھولنا نہیں ہے دنیا میں آ کے۔ دنیا کی سب نعمتوں سے استفادہ بھی کرنا ہے، شادی بھی کرنی ہے، کاروبار بھی کرنے ہیں، سارے معاملات بھی کرنے ہیں، اولاد کو بھی پالنا ہے، ان کے ساتھ زندگی بھی گزارنی ہے لیکن جو دل ہے اس کو اللہ کی محبت کے لئے وقف کر دینا ہے یہ ہے کثرتِ ذکر کا فائدہ۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

زندگانی ہے صدف اور قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا؟ جو قطرے کو گوہر کر نہ سکے

یہ زندگی تو ایک صدف کی مانند ہے اور ابرِ نیساں جو ہے، قطرۂ نیساں جو ہے

وہ روح کی مانند ہے۔وہ روح اوپر سے یہ عہدالست کر کے آتی ہے اور اس جسم میں داخل ہوجاتی ہے۔تو وہ صدف ہی کیا؟ یہ جسم جو ہے اس کو صدف کہا گیا ہے کہ وہ سیپ جو ہے جس میں وہ پانی ہے، وہ پانی کا قطرہ جو بارش سے آتا ہے وہ جا کے ایک موتی بن جاتا ہے۔

وہ صدف کیا؟ جو قطرے کو گوہر کر نہ سکے

یعنی ہمارا یہ جسم بیکار ہے۔اللہ تعالیٰ نے عہدالست میں روح ہمارے جسم میں ڈال دی تو اس کو ہم نے گوہر نہیں بنایا یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح کا ہمیں چاہتے تھے،ہم اس طرح کا بنیں۔اس کی بندگی میں آجائیں۔ذکراللہ اسی لئے کرنا ہے کہ روح اپنا مقصد پالے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (سورۃالذاریات۵۱۔آیت۵۶)

کہ ہم نے جن و انس کو پیدا ہی اپنی بندگی کیلئے کیا۔تو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں جب تک نہیں آئیں گے اس دنیا میں تو ہم اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا ہی نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو ذکراللہ ہے اس کو ہر حال میں کرنا چاہئے۔اس میں کہیں بھی غفلت نہیں ہونی چاہئے۔یہ ہماری زندگی جو ہے اس میں جو غفلت ہورہی ہے اس میں بنیادی کردار یہ ہے کہ ہم یہ ذکراللہ نہیں کرتے اور ذکراللہ نہ کرنے کی وجہ سے، کثرتِ ذکر نہ کرنے کی وجہ سے نمازیں بھی ٹھیک نہیں چلتیں۔نمازیں بھی ایسی ہیں کہ مکینیکل قسم کی ہیں کہ بس مشینی انداز میں نماز پڑھ لی،دل مطمئن ہوگیا کہ بس پانچ نمازیں پوری ہوگئی ہیں۔جو پڑھتے ہیں بہت بڑی ہمت ہے ان کی،ہم یہ نہیں کہتے لیکن یہ اگر ذکراللہ ساتھ شامل کرلیں جو حکمِ ربانی ہے،قرآن میں آیا ہے۔ٹھیک ہے تو سونے پر سوہاگہ ہوجائے گا۔ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ کثرتِ ذکر کی بہت اہمیت ہے۔یہ بہت زیادہ کرنا ہے۔اس میں غفلت نہیں کرنی۔حلقہ ذکر بھی ہفتہ وار بنایا گیا اور یہ ساری Activities جو ہیں یہ جو ہم مرکز پر بیٹھے ہیں

یہ اصل میں کثرتِ ذکر کا ہی ماحول پیدا کرنے کے لئے ہم بار بار باباجی کے پاس آتے ہیں۔ یہ اسی کیلئے ہے۔دوسری جو بات ہمارے بزرگوں نے ہمیں بتائی ہے وہ عام ماحول میں مسلمانوں کو نہیں بتائی جاتی۔وہ ہے غور وتفکر کرنے کی عادت۔اللہ کی تخلیقات جو ہیں ان پر غور کرنا میں نے ابھی جو ایک آیت پڑھی تھی کہ

الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ. (سورۃ آل عمران ۳۔آیت ۱۹۱)

اس کے آگے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (سورۃ آلِ عمران ۳۔آیت ۱۹۱)

یہ جو اللہ اللہ کرنے والے ہیں وہ ساتھ یہ بھی کرتے ہیں۔ہمارے ہاں یہ ایک مغالطہ ہے کہ مسلمان، ایک اچھا مسلمان یا ایک اعلیٰ کردار کا مسلمان بننے کے لئے اللہ کی تخلیقات پر غور کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ہمارے ہاں یہ مغالطہ چلتا ہے کہ اس کے بغیر بھی ہم بن سکتے ہیں لیکن قرآن کریم اس کی تصدیق نہیں کرتا۔قرآن کریم میں یہ ہے کہ

وَيَتَفَكَّرُونَ فِيْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (سورۃ آلِ عمران ۳۔آیت ۱۹۱)

تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سائنسدانوں کا کام ہے تخلیق کائنات یا کائنات پر جو غور وفکر کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس طرح قرآن پاک جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ،یہ کائنات جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے،ایک عمل ہے،اللہ تعالیٰ کے عمل کی طرف ہم نگاہ بھی نہ کریں،اس سے ہم غافل رہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کیسے پتا چلے گا؟ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات کی اس کی ہستی کی عظمت جو ہے وہ آشکار ہی نہیں ہوگی جب تک ہم اللہ تعالیٰ کی تخلیق شدہ زمین وآسمان میں جو آیات ہیں،نشانیاں ہیں ان پر ہم غور نہیں کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو آپ دیکھیں۔ان کی جو غور وفکر اور جستجو کی

عادت ہے اس کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ Demand کی، یہ مطالبہ کیا کہ اے اللہ! مجھے دکھا کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کیا آپ کو ایمان نہیں ہے اس پر؟ آپ کو یقین نہیں ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ یقین تو ہے لیکن میں اپنے دل کے اطمینان کے لئے کہ یہ کس طرح Possible ہو گا؟ Process کیسے ہو گا؟ ایک تجرباتی طور پہ اس کا Experience لینا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چار پرندوں کا کہا، ان کو زندہ کیا تو یہ سارا جو معاملہ ہوا اس سے ان کے یقین میں اضافہ ہوا، ایمان میں اضافہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرنے کا نتیجہ تھا۔ ان کے ذہن میں یہ بات آئی۔

دوسرا وہ جب کائنات پر غور کرتے ہیں، ستاروں پر اور کہتے ہیں کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ غائب ہو جاتے ہیں ستارے جو ہیں، سارے چمکتے ستارے۔ پھر وہ چاند کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ھٰـذَا رَبِّیْ ۔ یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ بھی۔ اسکے بعد سورج کو دیکھتے ہیں، وہ بھی غروب ہو جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ لَا اُحِـبُّ الْاٰفِـلِیْـنَ ۔ میں زوال پذیر چیزوں کو پسند ہی نہیں کرتا۔ میں اس کو اللہ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوں، میں اس کو اپنا رب مان ہی نہیں سکتا جس میں زوال ہو۔ وہ انہوں نے ذہنی طور پر نتائج اخذ کئے کہ اللہ کی ذات کیسی ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کس طرح ہوگی؟

وہ اللہ تعالیٰ کے جو افعال ہیں، کائنات ہے، یہ نشانیاں جو ہیں ان سے وہ توحید تک پہنچے یہ ان کے نبوت سے بھی پہلے کے معاملات ہیں جہاں سے وہ غور و تفکر کر کے اللہ تک پہنچے اور نمرود کو بھی لاجواب کیا۔ نمرود نے کہا کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور زندوں کو مارتا ہوں

اس کے بارے میں آپ نے یہ سنا ہوگا کہ وہ موت کے قیدی کولا کے آزاد کر دیتا ہے اور ایک زندہ شخص کو قتل کر دیتا ہے تو وہ آپ کے ساتھ Illogical طریقے سے لگے ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو تسلیم کرنے کی بجائے کہا کہ میرا رب جو ہے یہ مشرق سے سورج کو نکالتا ہے، تو اگر رب ہے تو سورج کو مغرب سے نکال کے دکھا۔ وہاں پہ قرآن میں آتا ہے کہ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۸)

اس بات پہ وہ حیران و ششدر رہ گیا اور لاجواب ہو گیا۔ تو یہ ان کے کائناتی غور وفکر کا نتیجہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ مجھے تمام چیزوں کی حقیقت سے آشنا فرما۔ یہ آپ ﷺ کی دعا ہے۔

قُل رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۱۱۴)

میرے علم میں اضافہ فرما۔ تو یہ وہی غور و تفکر والا کام ہے۔ یہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ بھی کرنا ہے۔ تفکر بالمراقبہ اور تفکر بالمشاہدہ تعمیرِ ملت میں بہت وسیع انداز میں بانی سلسلہؒ نے بیان کیا ہے تو اس کے اوپر غور کریں اور دیکھیں کہ ہر چیز جو ہے یہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، اس کی ماہیت کیا ہے؟ یہ کس طرح کام کرتی ہے؟ قرآنِ کریم میں آپ دیکھیں کہ بعض سورتوں کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ چیزوں سے ہی منصوب کر دیا گیا ہے تا کہ ہمارا دھیان اُدھر جائے۔ سورۃ النجم، قمر، لیل، سورۃ فیل، سورۃ الحدید، دخان، العنکبوت، نمل، نحل، بقرہ، اسی طرح اور بھی ہیں تا کہ ہمارا ذہن اُدھر جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ قُلِ انظُرُواْ مَاذَا فِیْ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْض۔

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو۔ (سورۃ یونس ۱۰۔ آیت ۱۰۱)

عربی لغت میں انظُرُوا کا مطلب معائنہ کرنا، سوچنا، غور کرنا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ

وَمَا تُغْنِیْ الآیَاتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لاَّ یُؤْمِنُوْن ۔ (سورۃ یونس ۱۰۔آیت ۱۰۱)

اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ،ان کے لئے نشانیاں اور تنبیہیں آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں۔

یہ شعبہ جو ہے جو کامل عارف باللہ بنتے ہیں ان کے لئے یہ غور و تفکر والی لائن جو ہے یہ لازمی ہے۔ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۔ اُوْلَئِکَ الْمُقَرَّبُونَ ۔ (سورۃ الواقعہ ۵۶۔ آیات ۱۰۔۱۱) والی جو لائن ہے اس کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ غور و تفکر جو ہے اس کے لئے آپ اپنی ذہنی قوتوں کو صرف کریں تو علامہ اقبال بھی فرما گئے ہیں کہ

فقر قرآن اختلاط ذکر و فکر

فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر

تو یہ ذکر اور فکر کا Combination جو ہے یہ فقر قرآن اس سے پورا ہو گا۔آپ دیکھیں کہ کوئی شخص آجائے ہاں ہمارے سامنے تو وہ کہے کہ میں چیونٹی سے ہاتھی بنا دوں گا تو دنیا کے سامنے وہ کہے کرتب کے طور پر کہ میں چیونٹی سے ہاتھی بنا دوں گا، یہ ایک مثال دے رہا ہوں تو میرا خیال ہے کہ مشرق و مغرب کے سارے انسان خواہ وہ پی ایچ ڈی ہیں، خواہ وہ ان پڑھ ہیں تو وہ سجدے میں گر جائیں گے اور کہیں گے کہ اس سے عظیم ہستی کوئی نہیں ہے۔ اس نے تو عجیب کام کیا ہے۔کبھی ہم نے دیکھا ہی نہیں اس طرح کا کام ۔یہ تو بہت بڑی بات ہے ۔یہ تو اللہ ہے ۔لیکن دیکھیں کہ اللہ کو کوئی نہیں مان رہا کہ اللہ نے اس سے کروڑوں گنا چھوٹے جرثومے سے انسان کو تخلیق فرما رہا ہے تو کوئی بھی اس کی ذات کو صحیح طرح نہیں مانتے ، جو ماننے والے ہیں وہ بھی صحیح طرح اس کی ذات کو نہیں مان رہے ۔یہ بہت ہی ضروری ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے آپ ایک انڈے پہ غور کر لیں ۔انڈہ ایک خاص ٹمپریچر پر جائے گا

تو اس میں اللہ تعالیٰ نے جو قوتیں رکھی ہوئی ہیں، جن کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے، جنہیں ہم فرشتے کہہ سکتے ہیں تو وہ Activate ہو جاتی ہیں۔ جس جس کا جو کام ہوتا ہے، کوئی جگر بنا رہی ہے، کوئی تلی بنا رہی ہے یا کوئی محکمہ اس کے اندر آنکھیں بنا رہا ہے۔ بیس بائیس دن بعد اس میں جو پورا سیال مادہ ہوتا ہے اس میں سے ایک چوزہ نکل آتا ہے تو وہ ساری Programing وہ سارا مادہ اللہ تعالیٰ نے انڈے میں رکھا ہوا تھا چوزہ بنانے کا۔

اسی طرح بیج ہے۔ اسی طرح ایٹم ہے۔ ہم اس ایٹم پر غور نہیں کرتے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح بنایا ہے کہ اس میں ایک الیکٹران باہر گردش کر رہے ہیں، پروٹان ہیں، نیوٹران ہیں۔ اس کا Nucleus ہے۔ اس کا نیوکلیس اگر توڑا جائے تو اس میں سے کس طرح اتنی انرجی نکلتی ہے۔ یہ ایٹم بم جو ہے اس میں اسی کا نیوکلیس توڑا جاتا ہے۔ اپنی طرف سے وہ کچھ نہیں کرتے ،صرف نیوکلیس توڑنے کا وہ فارمولا انہوں نے ڈھونڈ لیا ہے اور بیش بہا انرجی اس میں سے نکلتی ہے تو وہ اس پر غور کریں کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ایٹم کی تخلیق کی۔ انسان یا جاندار کو Cell کے ساتھ تخلیق کیا گیا۔ ایک Cell سے کئی Cell بنتے ہیں تو انسان کی تخلیق پہ غور کریں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بوند سے پیدا کیا۔ ایک معمولی سے جرثومے سے ،رحم مادر میں اسے رکھا۔ اس کو عَلَقَة بنایا، پھر اس کو مُضْغَةُ بنایا، پھر اس مُضْغَةُ سے فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً۔ (سورۃ المومنون ۲۳۔ آیت ۱۴) اللہ تعالیٰ نے اس پر گوشت بنایا۔

ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ (سورۃ المومنون ۲۳۔ آیت ۱۴)

تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات وہ ہے کہ جس نے ایک قطرے سے، ایک جرثومے میں سے انسان کو کھڑا کر دیا۔ ایک اور ہی چیز بنا دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غور و تفکر والا حصہ جو ہے اس پر بھی ہمیں بہت زیادہ دھیان دینا چاہئے۔ جو فکر والی لائن ہے اس میں انسان

ساری زندگی غور و فکر کرتا رہے لیکن وہ اللہ تک نہیں جاتا ۔اس کو پہچانتا نہیں ہے کہ ہمیں کس نے پیدا کیا، اس کے ساتھ ہمارا رشتہ کیا ہے؟ اس سے کیا تعلق ہے؟ تو یہ ذکر اور فکر دونوں کو ملائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت ہم پر آشکار ہو گی اور اس کو ہم مخلوقِ خدا کی خدمت میں بھی لگائیں گے ۔یعنی ہمارے سلسلہ کی جو تعلیمات ہیں ان میں ترکِ دنیا نہیں ہے، تسخیرِ کائنات ہے، تسخیرِ دنیا ہے ۔خیر یہ تو مسلمان سستی کر رہے ہیں آج کل، یہ غیر مسلم ہی کر رہے ہیں تسخیرِ کائنات والا کام ہماری جگہ پر ۔

ان دونوں کے علاوہ تیسری جو چیز ہے وہ ہمیں اپنے طور پر اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے پچھلی نشست میں بھی میں نے عرض کیا تھا کہ ہمیں اس میں بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں ۔ایک ایک جو ہمارے اندر خامی ہے، غصہ ہے، بغض ہے، بلکہ ہمارے سلسلے میں تو سلیبس شروع ہی غصے کی نفی سے کرایا جاتا ہے ۔اس کے لئے ایسا نہیں کہ آپ نے الگ سے کوئی کام کرنا ہے بلکہ اپنے کام میں، کاروبار میں، گھر میں جہاں بھی ہیں وہیں پر آپ نے اس کی پریکٹس کرنی ہے ۔غصہ ہے، بغض ہے، حسد ہے، یہ سب جو نقائصِ اخلاق ہیں ان کو ہم نے اپنے اندر سے نکالنا ہے ۔اس کے بعد جو اعلیٰ اخلاق ہیں ۔ نبی کریم ﷺ کو تو بھیجا ہی اخلاق کی تکمیل کیلئے گیا ہے ۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ

یعنی آپ ﷺ کو خلقِ عظیم عطا کیا گیا ہے ۔ہمارا تصوف یا ہمارے سلسلہ کی جو تعلیم ہے اس میں اخلاق کے بغیر روحانی طاقت ہم نہیں مانتے، کسی بندے کی اتنی کرامتیں ہیں، اس کی دھوم ہے کہ یہ ہو جاتا ہے ۔ہم نہیں اس کو مانتے ۔ہم کہتے ہیں کہ سلسلہ تو حیدیہ میں ہمیں تو فقرِ محمدی ﷺ سکھایا گیا ہے ۔قبلہ ڈار صاحبؒ بھی فرماتے تھے کہ آپ یہ دیکھیں کہ اس سے اخلاق کے ساتھ اللہ کی محبت میں اضافہ ہو رہا ہے ۔کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہو مگر آپ کے اخلاق

میں بہتری آ رہی ہے تو آپ سمجھیں کہ آپ ترقی کر رہے ہیں، اللہ کے قرب کی لائن میں جا رہے ہیں۔ ہمارے سلسلے کی تعلیم تو مقربین والی تعلیم ہے کہ اللہ کے مقرب بندے بنیں۔ اس میں یہ ہے کہ آزمائشیں بھی آئیں گی۔ ہر طرح سے اللہ تعالیٰ آزمائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمْوَالِ وَالأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ. (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۵)

ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزماتا ہے تو یہ دوسروں میں بھی آئیں گی جو نہیں کریں گے مگر ان میں رویے کا فرق آ جائے گا کہ ان آزمائشوں میں جو مومن ہے اس کا کیا روّیہ ہوتا ہے! وہ یہ کہتا ہے کہ

قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ. (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۶)

ہمیں اللہ پر اعتماد ہے اور ہمیں اللہ کی طرف جانا ہے۔ یہ اللہ کی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اعلیٰ درجات میں ترقی دینے کے لئے ہم پر یہ مشکلات لا رہا ہے۔ یہ رویہ جو ہے یہ ایک مومن کا رویہ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ. الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيْبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ. (سورۃ البقرہ ۲۔ آیات ۱۵۵۔۱۵۶)

ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی عنایتیں ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں۔ تو یہ اصلاح کے حوالے سے چوتھی جو چیز ہے وہ ہے اصلاحِ معاشرہ۔ دوسروں کو بھی اس طرف راغب کرنا۔ پچھلی مجلس میں بھی بابا جان نے فرمایا کہ ایک فرد جو ہے ہم اس پر کام کریں، اس کو لے کے آئیں اس طرف۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیمات جو ہیں، ہمیں فائدہ دے رہی ہیں تو ہم دوسروں کو بھی یہ بتائیں کہ اس کی کتنی اہمیت ہے۔ خالی اپنی روحانی لذتوں میں پڑے رہنا۔

ہمارے سلسلے میں وہ خانقاہی نظام نہیں ہے کہ اپنا ذکر کیا، پڑے رہے سائیڈ پر اور لوگوں کو پتا ہی کوئی نہیں ہے۔قبلہ انصاری صاحبؒ نے بھی فرمایا ہے کہ میں نے یہ حلقہ اس لئے بنایا ہے کہ کل کو اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھ لیں کہ آپ نے یہ آگے کیوں نہیں ٹرانسفر کیا؟ اتنا مرتبہ دیا میں نے۔تو میں نے اس کام کو پھیلانے کی کوشش کی۔

ایک جگہ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے خطبات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ بڑے خدا رسیدہ بزرگ تھے، ان کا کہا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر معراج پر مجھے جانے کا موقعہ مل جاتا تو میں نے واپس نہیں آنا تھا۔اللہ کے قرب میں پہنچ گئے تو میں نے واپس نہیں آنا تھا علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ایک صوفی کا اور ایک نبی کا ظرف دیکھیں۔نبی ﷺ جو ہیں وہ وہاں سے واپس آئے۔ظاہر ہے کہ یہاں وہ پتھر، گالیاں اور یہی کچھ ہے جب مخلوقِ خدا کی آپ نے اصلاح کرنی ہے۔تو یہ بہت بڑا فرق ہے۔مطلب یہ کہ ہمارے سلسلے کی تعلیمات یہ جو اصلاحِ معاشرہ والی ہیں یہ بالکل نبی کریم ﷺ کے طریقے پہ رکھی گئی ہے۔اس کی ہمیں قدر کرنی چاہئے، دوسروں کو بتانا چاہئے۔سال میں ایک بندے کو اگر تیار کر کے لے آئیں تو بانی سلسلہؒ نے اپنی کتاب چراغِ راہ میں فرمایا کہ اس سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے کہ ایک آدمی کو آپ اللہ کی راہ پہ لگا دیں، اس سے بڑی کوئی نیکی نہیں ہے۔بس یہ چار چیزیں ذکر، غور وتفکر، اپنی اصلاح اور اصلاحِ معاشرہ ہے، ہماری یہ روحانی تحریک ہے۔خالی روحانی سلسلہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حشر میں بندوں پر رحمت کی برسات

(علامہ محمد معراج الاسلام)

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ایک طویل حدیث کا حصہ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے میری اُمت کے لوگو! باہمی معاملات ٹھیک کرو، رنجش مٹاؤ اور ایک دوسرے کو مناؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے مابین صلح کرائے گا"۔(مستدرک)

شرح و تفصیل: انسان طبعی طور پر زور، ضرورت مند اور حاجات وضروریات کا اسیر ہے جس نے اسے کسی حد تک خودغرض بنا دیا ہے ضرورت پڑنے پر طوطا چشم بھی بن جاتا ہے اور اپنی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ہزار خواہش کے باوجود ایثار و قربانی کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ دنیا میں تو اس کے ایثار و مروت کی بڑی بڑی اور حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں مگر قیامت کے دن میدان حشر میں وہ بالکل صحیح معنوں میں طوطا چشم بن جائے گا اور اپنی نجات کے لیے آنکھیں ماتھے پر رکھ لے گا اور کسی کو ایک نیکی دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ لوگ جو دنیا میں کسی کے ماں باپ رہے ہوں گے وہ بھی اپنی اولاد کو ایک نیکی دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ وہ خود نجات کے لیے نیکیوں کے بہت زیادہ محتاج ہیں اس لیے نیکیوں کی قربانی نہیں دے سکتے۔

فیضانِ رحمت: مگر حشر میں رحمت رب تعالیٰ کا فیضان پورے عروج پر ہوگا۔ حدیث پاک کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ رحمت و کرم کی ایسی ایسی نادر و نایاب مثالیں سامنے آئیں گی جن کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ رب کریم اس طرح کرم کی آبشار بہائیں گے کہ دیکھنے والے

دنگ رہ جائیں گے ہم ان مناظر کی ایک خوبصورت و ایمان افروز جھلک پیش کرتے ہیں جو انسان کو دلاسا دینے اور ڈھارس بندھانے والی ہے جنہیں سن کر گناہوں کے انبار میں ڈوبے ہوئے شخص کو امید کی کرن نظر آنے لگتی ہے کہ وہ بھی اس فیضان خاص اور ابر کرم سے محروم نہیں رہے گا اور نبی اکرم کا اُمتی ہونے کے ناطے وہ کچھ پالے گا جس کا اسے وہم وگمان بھی نہیں۔

دولت مند مفلس: میدان حشر میں ایک شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا موازنہ کرنے کے لئے میزان پر لایا جائے گا، اس نے دنیا میں بہت نیکیاں کمائی ہوں گی، اسے اطمینان ہوگا کہ اتنی ڈھیر ساری نیکیاں اس کی نجات کے لئے کافی ہیں، وہ ان کے سہارے بہشت کے خواب ناک ماحول میں پہنچنے اور وہاں کی لازوال نعمتوں سے فیض یاب ہونے میں کامیاب ہوجائے گا۔ ابھی وہ شخص کامیابی کے نشے میں سرشار اپنے خوبصورت تصورات اور سہانے سپنوں میں کھویا ہوا ہی ہوگا کہ ایک شخص آئے گا اور اس کا گریبان پکڑ لے گا اور دعویٰ کرے گا کہ تم میرے مجرم ہو دنیا میں تم نے میرا حق مارا تھا مال و دولت چھینا تھا یا زمین یا کوئی اور قیمتی چیز ہتھیالی تھی اس لیے اس کا بدلہ دو۔ نیکیوں کا انبار رکھنے والا وہ سوداگر اپنی صفائی پیش کرے گا کہ آپ کا دعویٰ بجا ہے کہ میں نے مکروفریب اور دھوکہ بازی سے آپ کا مال ہتھیالیا تھا مگر دنیا کی چیز دنیا ہی میں رہ گئی ہے اب تمہیں دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں اس لیے بدلہ دینے سے قاصر ہوں فرشتے فیصلہ کریں گے کہ میدان حشر کی کرنسی دنیا سے مختلف ہے یہاں نیکیاں چلتی ہیں اس لیے دنیاوی مال و دولت کے مقابلے میں تم اسے نیکیوں کا ثواب دو اس لیے فیصلے کے مطابق وہ مظلوم اس سوداگر کی نیکیاں لے کر چلا جائے گا۔ ایک اور مظلوم آکر دامن گیر ہوگا اور کہے گا کہ دنیا میں ایک موقع پر تم نے مجھے مارا پیٹا تھا کوئی کہے گا تم نے مجھے گالیاں دی تھیں کوئی کہے گا تم نے میری بے عزتی کی تھی اور مجھے ذہنی صدمہ پہنچایا تھا غرض

جس کو دنیا میں کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف دی ہوگی وہ آ کر اس کے قصاص کا مطالبہ کرے گا اور بدلے میں نیکیاں دینی پڑیں گی اس کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ پس و پیش کرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا دامن نیکیوں سے خالی ہو جائے گا اور دوسرے لوگ اس کی زندگی بھر کی نیکیاں لے کر چلے جائیں گے اب وہ شخص جو تھوڑی دیر پہلے مالا مال تھا ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔ اس نے دنیا میں جو ظلم ڈھائے ہوں گے ان کی وجہ سے مظلوموں کی تعداد پھر بھی کم نہ ہوگی وہ دامن پکڑ لیں گے کہ ہمیں بھی کچھ دو۔ وہ پریشان ہو کر کہے گا اب میرے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں بچا، مظلوم لوگ سب کچھ لے گئے ہیں۔ دنیا میں جن پر اس نے ستم کیا ہوگا وہ اس کی مجبوری پر ترس نہیں کھائیں گے اور بڑے رو کھے لہجے میں کہیں گے ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تمہارے پاس دینے کیلئے نیکیاں ہیں یا نہیں، ہمارے گناہ لینے کی تو گنجائش ہے، چنانچہ وہ اپنے گناہ اس پر لاد کر چلے جائیں گے اور یہ آدمی جو تھوڑی دیر پہلے نیکیوں سے مالا مال، امیر کبیر اور بڑا دولت مند تھا، مفلس و قلاش رہ جائے گا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اصل مفلس وہ ہوگا جو اس روز اس حالت سے دوچار ہوگا"۔

اس وقت میدان حشر کا یہ سماں واقعی ہوش ربا ہوگا بڑے بڑے نامور لوگوں کے چھکے چھوٹ جائیں گے خونی رشتے بھی آنکھیں پھیر لیں گے یہاں تک کہ سگے ماں باپ بھی پہچاننے اور نیکیاں دینے سے انکار کردیں گے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا کہ میدان حشر میں ایک بیٹا اپنے ماں باپ کا مجرم ثابت ہو جائے گا وہ دونوں کہیں گے ہمارا حق دے وہ کہے گا میں آپ کا بیٹا ہوں آپ لوگ معاف کر دیں وہ جواب دیں گے معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم تو چاہتے ہیں تو اس سے بھی بڑا مجرم ثابت ہوتا۔

بندوں کی مایوسی مجبوری اور خودغرضی کا یہ عالم ہوگا کہ وہ نجات پانے کے لیے ایک ایک نیکی کو ترس رہے ہوں گے اس بے چارگی اور پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ اپنے مایوس و پریشان اور خوفزدہ بندوں پر اس طرح رحمت او مہربانی فرمائیں گے جو انکے تصور میں بھی نہیں ہوگی اس نوازش وعطا اور کرم وسخاوت کی انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی مثال نہیں دیکھی ہوگی اور نہ ہی سنی ہوگی ۔ہوگا یوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندے کے ساتھ ایک سودا فرمائیں گے جو حیرت انگیز بھی ہوگا اور عجیب وغریب بھی اس سودے میں شان بندہ نوازی کا عنصر غالب ہوگا اس واقعے کی تفصیل حضرت عمر فاروق نے بیان فرمائی ہے۔

عجیب سودا: نبی کریم ﷺ اپنے پیاروں کی محفل میں رونق محفل کی حیثیت سے تشریف فرما تھے کہ اچانک مسکرائے محفل سنجیدہ تھی بظاہر مسکرانے کا کوئی محل نہیں تھا اس لیے سب حیران ہوئے وہ جو محبوب کی ہر حرکت وادا پر قربان ہونے کے عادی اور اس کی حقیقت تک پہنچنے کے خواہاں ہوتے تھے اس ادائے دل رُبا پر خاموش نہ رہ سکے اور آخر پوچھ ہی لیا یا رسول اللہ! میں قربان ،آپ ہمیشہ اسی طرح مسکراتے ہی رہیں ۔اس وقت مسکرانے کا کیا سبب ہے؟ کسی خاص تصور سے محبوب ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں ۔بعد میں سلسلہ کلام سے واضح ہوا کہ دو امتی یاد آ گئے تھے، وہ دونوں ایک دوسرے سے نالاں تھے، دونوں نے رب العالمین کے حضور حاضری دی۔ایک نے اللہ کے دربار میں دوسرے کے خلاف شکایت پیش کی !یا اللہ !میرے اس بھائی نے دنیا میں مجھ پر ظلم کیا تھا، میں اس سے اپنا حق وصول کرنا چاہتا ہوں یا رب !میرے اس دینی بھائی سے میرا حق لے کر دیجئے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "اس کے پاس تو کوئی نیکی نہیں بچی"۔وہ بندہ کہے گا تو یہ میرے گناہوں کا بوجھ اٹھائے اس شخص کی بے مروتی اور دوسرے کی مجبوری کی کیفیت

بیان کرتے ہوئے حضور نبی کریم کی حسین آنکھوں میں آنسو آ گئے فرمایا یہ بہت بڑا دن ہوگا لوگ چاہیں گے کہ دوسرے ان کا بوجھ اٹھالیں۔

اللہ تعالیٰ سائل سے فرمائیں گے نگاہیں اٹھا کر دیکھو وہ جنت کے حسین وجمیل مناظر سونے کے محلات اور دیگر آسائش کی قیمتی چیزیں دیکھ کر دنگ رہ جائے گا اور پوچھے گا یہ کس نبی کی ملکیت ہیں؟ اس کو بتایا جائے گا کہ یہ اس کی ملکیت ہیں، جو اس کی قیمت دے دے وہ حسرت سے کہے گا بھلا ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اپنے بھائی کو معاف کر کے تو ان کی قیمت ادا کرسکتا ہے وہ فوراً راضی ہوکر کہے گا میں نے اس کو معاف کیا اللہ پاک فرمائیں گے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اسے لے کر جنت میں چلا جا۔ اسطرح اللہ پاک مظلوم کو جنت دے کر راضی کریں گے اور جو زیادتی کرنے والا ہے اس کا کام بھی بن جائے گا۔ اسکے بعد نبی کریم ﷺ نے امت کو نصیحت اور وصیت فرمائی۔ باہمی معاملات ٹھیک کرو رنجشیں مٹاؤ ایک دوسرے کو مناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے درمیان قیامت کے دن صلح کرائے گا اور ان کے شکوے دور کرے گا یہاں تک کہ جس شخص نے دنیا میں اپنے بھائی پر زیادتی کی ہوگی اور وہ بھائی اس سے ناراض ہوگا اور مطالبہ کر رہا ہوگا کہ اسکے نقصان کی تلافی کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کو جنت دے کر راضی کریں گے اسطرح مظلوم بھی خوش ہو جائے گا اور زیادتی کرنے والا بھی چھوٹ جائے گا۔

(حاکم، المستدرک، کتاب الاھوال، 4:620 رقم 8718)

حیرت انگیز ضمانت: میدان حشر میں بندوں پر ایسی عنایات ربانی اور نوازشوں کا سلسلہ بہت وسیع ہوگا جنہوں نے دنیا میں دوسروں پر مظالم ڈھائے ہونگے اور اس وقت بے یار و مددگار کسمپرسی کے عالم میں پھر رہے ہوں گے اور مظلوموں نے گریبان پکڑے ہوں گے تو

اس نازک موقع پر اللہ کی خاص رحمت ہی بندے کی دست گیری فرمائے گی اور فریادیوں سے چھٹکارا دلائے گی۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں:"میدان عرفات میں حضور نبی اکرم ﷺ اہل محبت کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے، رب تعالیٰ کی طرف سے سلام و پیام آ رہے تھے۔اس وقت جو عنایت ربانی ہوئی اور خاص خوش خبری اور عطاء سے نوازا گیا تو رحمت عالم نے اپنے غلاموں کو بھی اس بخشش و عطا اور بے پایاں عنایت کی خوشی میں شریک کرنے کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:"اے بلال دوستوں کو چپ کراؤ"۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے حاضرین کو خاموش ہونے کا حکم دیا۔تب اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو حقیقت حال اور اُمت پر جو خاص کرم ہوا تھا، اس سے آگاہ فرمایا۔"اے میرے غلامو! ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے،انہوں نے پہلے رب تعالیٰ کی طرف سے سلام عطا فرمایا پھر بتایا کہ اس وقت میدان عرفات میں جو لوگ جمع ہیں، اللہ نے سب کو بخش دیا ہے اور ان پر جو حقوق واجب ہیں ان کی ادائیگی اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے،اور ضمانت دی ہے کہ اسے وہ خود ادا کرے گا،یعنی دنیا میں بندے جو ایک دوسرے کے حقوق سلب کرتے رہتے ہیں اور پھر ادائیگی حقوق کی ان کے پاس کوئی ممکنہ صورت نہیں ہوتی اور حق لینے والے گریبان پکڑتے اور تنگ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے کہ ایسے بندوں کی ادائیگی وہ خود کرے گا اور اپنی نعمتیں اور جنتیں دے کر انہیں راضی کرے گا تاکہ وہ اپنے بھائیوں کو تنگ نہ کریں اور معاف کر دیں۔رحمت و کرم کی موسلا دھار بارش کا یہ عالم دیکھ کر حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا یہ فضل و کرم ہمارے ہی ساتھ خاص ہے؟۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "یہ تمہارے لئے اور جو قیامت تک آنے والے امتی ہیں سب کے لئے ہے"۔ (عبدالعظیم المنذری،الترغیب والترہیب،2:131رقم 1796)

تصوف وسلوک ایک الہامی نظام

(سید ابوالحسن ندوی)

اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے جو ہر قسم کے خطرہ اور ضرر اور انفرادی کمزوریوں اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک اور اہم مسئلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے یا زمانہ تغیر اور حالات کے تقاضہ سے کوئی نئی ضرورت سامنے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ علماء مخلصین کے ایک معتد بہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور ارادۂ قوی کے مالک ہوتے ہیں اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے اور ہمہ تن ان کو اس طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ خود کو اس کام کے لئے مامور اور عنداللہ مسئول سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید الٰہی اور نصرت غیبی نظر آتی ہے اور وہ دل کی گہرائی سے محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے اجتماعی الہام یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے اور تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے پُر ہے۔

کبھی یہ الہام معدودے چند اصحاب کو ہوتا ہے جیسا کہ اذان کے واقعہ میں عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے اور دونوں کو خواب میں کلماتِ اذان کی تلقین کی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصویب فرمائی اور اذان کو شرعی حیثیت دے دی جو آج تمام عالمِ اسلام میں رائج ہے اور جیسا کہ لیلۃ القدر کے

سلسلہ میں پیش آیا جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ چند صحابہ حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھیں خواب میں لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری سات راتوں میں دیکھا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں تو جو اُسے تلاش کرنا چاہتا ہے، وہ انھیں سات راتوں میں تلاش کرے۔

اور اسی کے قریب صلوۃ تراویح کا معاملہ ہے جس کی اصل نبی ﷺ سے ثابت ہے، جسے آپ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب نہ بن جائے مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت قائم کردی حضرت عمرؓ کا یہ فعل الہام الٰہی پر مبنی اور آسمانی رہنمائی کا نتیجہ تھا اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن کا شوق پیدا کردیا جو حفظ بحفاظت قرآن کا بڑا ذریعہ ثابت ہوا اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا داعیہ پیدا ہو گیا اس سلسلہ میں اہلِ سنت جنہوں نے تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنہوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے جو قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔اور کبھی یہ الہام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور جمِ غفیر کو ہوتا ہے جس کا کسی امر پر متفق یا کسی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جانا محض اتفاقی واقعہ یا کسی سازش کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا، ان کی اس کوشش سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچتا ہے، یا مسلمانوں کی زندگی کا کوئی خلا پُر ہوتا ہے، یا کسی مہیب فتنہ، یا رخنہ کا سدِ باب ہوتا ہے، یا دین کے عظیم مقصد میں سے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

اس طرح کے مبارک اجتماعی الہام کی مثال (جو بے شمار راسخ العلم علماء اور مخلص و

باعمل لوگوں کوہوا) حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن کو مصاحف میں جمع کرنا اور قرن اول و ثانی اوراس کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے جمع وتدوین کا کام، مجتہدین کا استنباط احکام اورجزئیات فقہ کی تفریع، علم نحو وقرات ، اصول فقہ اور قرآن اوراس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کو تدوین اور مدارس کی تعمیر ، کتابوں کی نشرواشاعت وغیرہ اس اجتماعی الہام کی بہترین مثالیں ہیں جس کے ذریعہ دین اورامت کی یہ اہم ترین ضرورتیں پوری کی گئیں،اورآنے والے خطرات کا سدِ باب کیا گیا۔

اسی اجتماعی الہام کی ایک مثال گمراہ فرقوں ،ملحدین،تعطل و بے عملی کی دعوت دینے والے فلسفوں اورتخریب پسند تحریکوں کی تردید وابطال کا کام بھی ہے جس کے لئے مسلمانوں میں سے علم وذہانت ،فکری صلاحیت اورایمانی قوت میں امتیاز وتفوق رکھنے والے افرادمیدان میں آئے ،اورانہوں نے ان دعوتوں اورفلسفوں کو بے نقاب کردیا،مسلمانوں کوان کے برے اثرات سے بچالیا ، یہ سب کارنامے الہام ربانی کا کرشمہ ہیں جس سے تاریخ اسلام کے ہر مرحلہ اور علم وتہذیب کے ہر مرکز میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مشرف وسرفراز کی گئی ، اورجواس امت پر(جوآخری امت اورانسانیت کامرکز امید ہے)خدا کی عنایت اوراللہ کے نزدیک اس کے بلندی مرتبہ کی دلیل ہے اور یہ غیر منقطع الہام اور مسلسل مدد الٰہی ،ختم نبوت اور محمد ﷺ کے بعد سلسلہ وحی کے منقطع ہونے کی روشن دلیل ہے ،جس کی اگلی امتوں میں کوئی واضح اور مسلسل نظیر نہیں ملتی ،اس لئے کہ انہیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی ، کیونکہ سلسلہ نبوت قائم اورکارنبوت باقی تھا۔

تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اورفن کی شکل اختیار کرلی ،نفس وشیطان کے مکاید کی نشاندہی ،نفسانی اوراخلاق

بیماریوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسبت باطنی کے حصول کے ذرائع وطرق کی تشریح وترتیب جس کی اصل حقیقت تزکیہ واحسان کے ماثور وشرعی الفاظ میں پہلے سے تھی، اور جس کا عرفی اوراصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے ، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ تک پہنچا دیا، اوراس کو دین کی بڑی خدمت اور وقت کا جہاد قرار دیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب ونفوس کی مردہ کھیتیوں کو زندہ کیااور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلص علماء ربانین اوران کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل وعریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند اور براعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے ،جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان ویقین اورعمل صالح کی روح پھونکی، اور بار ہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا اس گروہ کی افادیت اوراس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

جیسا کہ حدیث متواتر کی تعریف اوراس کے قطعی الثبوت ہونے کی دلیل میں اہلِ اصول کہتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد نے ہر زمانہ میں اسی کی روایت کی ہو کہ عقل سلیم اور انسانی عادات اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں کہ اتنے کثیر انسانوں نے غلط بیانی اور افتراء پردازی پر اتفاق کرلیا ہے، اور یہ کسی سازش کا نتیجہ ہے تاریخ کے سرسری مطالعہ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلا انقطاع اور بلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے خدا کے کثیر التعداد مخلص بندوں نے اسی طریقہ کو اختیار کیااور اس کی دعوت دی خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا، اور ساری زندگی اس کی اشاعت میں مشغول و

سرگرم رہےاوران کواس کی صحت اورافادیت کے بارے میں پورایقین واطمینان حاصل تھا وہ اپنے ماحول ومعاشرہ کا خلاصہ اورعطر تھے، اورنہ صرف اپنی راست بازی، خلوص و بے غرضی پاک نفسی اورنیک باطنی میں بلکہ کتاب وسنت کے علم، سنت کی محبت وعشق اور بدعات سے نفرت وکراہت میں بھی اپنے معاصرین میں فائق اورممتاز تھےایک دوکایادس پانچ کا کسی غلط فہمی یا سازش کاشکارہوجاناممکن ہےاوربعید از قیاس نہیں لیکن لاکھوں انسانوں کا جواپنےعلم و عمل میں بھی امت کی صف اول میں نظرآتے ہیں علی سبیل التواترصدیوں تک اس غلط فہمی میں مبتلارہنااس پراصرارکرنا اوراس کی دعوت دینا، اس پرپورےعزم واستقامت کے ساتھ قائم رہنا خلاف عقل اورخلاف عادت بات ہے پھران کے انفاس قدسیہ سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کاہدایت یافتہ اورفیض یاب ہونا اوراعلیٰ باطنی وروحانی کمالات تک پہنچنا خبرمتواتر ہےجس کاانکارممکن نہیں، عملاً وعادتہً یہ بات بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ زمانی ومکانی اختلاف کے باوجود صادقین ومخلصین کا یہ گروہ عظیم متواتر ومسلسل طریقہ پرایک غلط فہمی میں مبتلارہااوراللہ تعالیٰ نے بھی جورحیم وحکیم اورہادی مطلق ہےاورجس کاوعدہ ہے کہ

ترجمہ: اورجن لوگوں نے ہماری راہ میں بڑے بڑے مجاہدےاورکوششیں کی ہم ان کوضروربالضروراپنے صحیح راستوں پرلگادیں گے بیشک اللہ تعالیٰ ہمت وصداقت کے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک نہیں کیااوران کی دستگیری نہیں فرمائی، آپ تاریخ اسلام میں سے ان صادقین ومخلصین کوجن میں ایک ایک آدمی اپنے عہد کاگل سرسبد، منارہ نور اورنوع انسانی کے لئے شرف وعزت کاباعث ہے، نکال کردیکھیں کہ ان کے بعد کیارہ جاتا ہے، اوراگران پراعتمادنہیں کیاجاسکتاتوپھرکون سی جماعت لائق اعتماداورسرمایہ افتخارہوگی؟

سر الیگزنڈر فلیمنگ سے ایک ملاقات

(اشفاق احمد)

میں بڑی دیر تک روم جو کہ اٹلی کا دارالحکومت ہے وہاں رہا ہوں۔ وہاں میں پڑھتا تھا اور پڑھاتا تھا۔ خیر وہاں 53ء میں ایک صاحب ہماری یونیورسٹی میں لیکچر دینے آئے جو کہ بہت نامی گرامی انسان تھے ان کا نام تھا سر الیگزینڈر فلیمنگ یہ وہ صاحب تھے جنہوں نے Pencilline کو Discover کیا تھا۔ نوبل انعام یافتہ، سر کا ان کو خطاب ملا تھا تو سر فلیمنگ سے بہت سی باتیں ہوئیں لیکن ایک موٹی بات جو انہوں نے کی تھی کہ دنیا میں سب سے زیادہ صبر کرنے والا شخص جو ہوتا ہے وہ Scientist ہوتا ہے تو یہ میرے لیے نئی بات تھی اور اچنبھے کی بات تھی۔ مجھے مشرقی نوجوان ہونے کی حیثیت سے شاید حق پہنچتا تھا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے پوچھوں کہ سر اس کی تفصیل کیا ہے؟ تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہوٹل میں ٹائم طے کیا بڑی مہربانی تھی آنجہانی کی کہ انہوں نے ٹائم دیا بڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھا۔ بڑے سوالات کیے میں آج اس کا ایک چھوٹا سا قصہ آپ کو عرض کرتا ہوں میں نے کہا کہ سر یہ جو آپ ایجادات کرتے ہیں اور جو آپ اتنے رتبے کے Scientist ہوتے ہیں یہ آپ کو کیسے آجاتا ہے انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا کوئی اتنا بڑا کمال نہیں ہوتا ہم تو بس لیبارٹری میں جاتے ہیں اور لیبارٹری میں حاضر رہتے ہیں اور چوکس رہتے ہیں او رہم کوئی کام نہیں کرتے بس ہم لیبارٹری میں ڈانس کرتے ہیں

as a dervesh,s dance کہنے لگے کہ درویش کا مطلب جانتے ہو؟ میں نے کہا
کہ سر وہ تو ہے ہی ہمارا۔یہ آپ نے تو Borrow کیا ہے ہم سے۔ کہنے لگے جیسے ایک
درویش ناچ کرتا ہے اسی طرح سے ایک Scientist اپنی لیبارٹری میں ہر وقت ہمہ تن اس
ناچ میں لگا رہتا ہے۔ The dance of intelligence.. dance of
life... the dance of somethinng to have...۔اچھا میرے لیے
یہ نئی بات تھی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے اور انہوں نے کہا کہ علم جو ہے وہ عالم مطلق کے پاس ہے
اللہ کے پاس ہے۔انسان کے پاس نہیں ہوتا پھر وہ ذرا سے ڈرے کیونکہ میں بالکل نوجوان تھا
کہنے لگے Do you Believe in God? میں آپ کو بتاتا ہوں کہ علم جتنا بھی ہے وہ
اللہ کے پاس ہے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہتا ہے انسان کو عطا کرتا رہتا ہے۔نہ
پہلے نہ بعد میں ۔انسان اپنی کوشش اور جدو جہد سے اپنی ہمت سے علم حاصل نہیں کرسکتا
میں نے کہا کہ جی یہ کیا بات ہوئی ہم تو کوشش ،جدو جہد اور Struggle کے بندے ہیں۔
اس کے بغیر تو ملتا ہی کچھ نہیں انہوں نے کہا کہ نہیں اسکے لیے آپ کو ایک Constant ایک
مسلسل حاضری اور ڈانس کرنے کی ضرورت ہے جھولی پھیلا کر کشکول اپنا لے کر موجود رہو کہ
کب علم عطا ہو۔وہ جب چاہتا ہے دیتا ہےتو وہ کہنے لگے کہ کئی ہزار برس سے درختوں کے اوپر
سے سیب زمین پر گر رہے تھے کسی نے کوئی نوٹس نہ لیا سیب تو گرتا ہی رہتا ہے نہ پھر اللہ نے
جب علم عطا کرنا مقصود جانا تو پھر اس نے ایک فرشتے سے کہا کہ جا یہ جو ایک بابا کوٹ پہن کر
سیب کے درخت کے پاس بیٹھا ہوا ہے اس کے کان میں جا کر کہہ دے کہ یہ Gravity ہے
تو فرشتے نے غالباً کہا ہو کہ Gravity,Gravity پھر اس نے سوچا ہوگا کہ یہ کیسے گرا اور

اسکے اوپر اس نے کام کرنا شروع کر دیا اور اسطرح سے علم صرف عالم مطلق اپنی مرضی سے عطا فرماتا ہے پھر انہوں نے مجھے بتایا دیکھو! عمل اور کوشش سے کچھ نہیں ہوتا ایک بیماری بڑی خوفناک ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور بڑے لوگ اس سے مر رہے ہیں اس کی ریسرچ پر ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں ڈالر خرچ ہو رہے ہیں اور ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں پاؤنڈز خرچ ہو رہے ہیں لیکن اس کا کوئی سر پیر معلوم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ میں ڈر گیا میں نے کہا کہ یہ ایسی کونسی بیماری ہے۔ کہنے لگے اس کو کینسر کہتے ہیں مجھے پتا ہی نہ تھا کہ کینسر کیا ہوتا ہے میں نے جب کہا کہ اچھا جی میں نے تو کبھی نہیں سنا ہاں ایک بیماری ٹی بی ہے کہنے لگے کہ یہ ٹی بی سے بھی خطرناک ہے ہم کوشش کرتے رہیں گے ہم ڈھونڈتے رہیں گے ہم تلاش کرتے رہیں گے۔ لیکن اس کا علم صرف اسی سے عطا ہوگا اور وہی اسکی Date مقرر کرے گا۔ کوشش ہماری جاری رہے گی کیونکہ یہ اسکا علم ہے میں نے کہا سر! آپ کے خیال میں اس کا علاج کب مل جائے گا؟ تو کہنے لگے کہ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا میرا اندازہ ہے کہ شاید 1960 یا 1962 میں اس کا علم ہو جائے گا تو پیارے لوگو! 1960ء 1962ء گزر گیا 90 گزر گیا 92 گزر گیا۔ اب 98ء ہے وہ جب چاہے گا عطا کرے گا۔ ہمیں اپنی جھولی پھیلا کر اس کے حضور مسلسل رقص کرتے رہنا چاہیے تاکہ وہ دے اور صبر اختیار کرنا چاہیے جو وہ Scientist اپنی ریسرچ میں اور اپنی تحقیق میں کرتے ہیں۔

اسمِ اعظم کیا ہے

(مولانا وحید الدین خان)

ایک بزرگ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا کہ اللہ کا اسمِ اعظم کیا ہے بزرگ نے فرمایا جب آدمی کا پیٹ غذا سے خالی ہو اور اس کا دل کینہ سے خالی ہو تو وہ اللہ کے ناموں میں سے جس نام سے بھی اپنے رب کو پکارے گا وہی اسمِ اعظم ہوگا (تذکرۃ الاولیاء) گویا اسمِ اعظم کا تعلق اسم سے نہیں بلکہ کیفیت سے ہے اسمِ اعظم وہ ہے جو اعلیٰ کیفیات کے ساتھ زبان سے نکلے کیفیات کی عظمت کسی اسم کو اسمِ اعظم بناتی ہے نہ کہ حروفِ تہجی کی عظمت۔ پیٹ خالی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی مادیات کے غلبہ سے آزاد ہے اور دل میں کینہ نہ ہونا بتاتا ہے کہ آدمی اپنے سینے میں کسی قسم کی نفسیاتی پیچیدگی لیے ہوئے نہیں ہے جب کوئی آدمی اپنے آپ کو مادی رونقوں سے اور انسانی شکایتوں سے اوپر اٹھالیتا ہے تو وہ خدا کے بہت قریب ہو جاتا ہے اس کو خدا کے خصوصی فیضان میں سے حصہ ملنے لگتا ہے ایسے وقت میں خدا کے صفاتی ناموں میں سے کوئی نام جب اس کی زبان پر آتا ہے تو وہ ربانی کیفیات میں نہایا ہوا ہوتا ہے ان کیفیات کے ساتھ جو بہتر نام آدمی کی زبان سے نکلے وہی اس کے لئے اسمِ اعظم ہے۔

کچھ لوگ اسلام کے معاملہ کو پاک کلمات کا ایک پر اسرار معاملہ سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اسلام کے کچھ خاص عربی الفاظ ہیں جن میں طلسماتی اوصاف چھپے ہوئے ہیں اگر کوئی شخص ان پاک الفاظ کو یاد کرے اور زبان سے ان کو ادا کرے تو ان کی صرف ادائیگی سے کراماتی نتائج ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے دنیا میں آل و اولاد میں برکت ہوگی اور آخرت

میں جنتی محل بننے لگیں گے ان کے نزدیک ایک بابرکت کلمات میں سب سے زیادہ اسمِ اعظم ہے اگر محض بے بنیاد خیال ہے جس کا کوئی ثبوت قرآن وسنت میں نہیں ہے اسمِ اعظم حقیقتاً حروف کے کسی مجموعہ کا نام نہیں بلکہ کیفیات کے مجموعہ کا نام ہے اللہ کو جب کوئی بندہ اس طرح یاد کرتا ہے کہ وہ ہر دوسری چیز سے اپنا رخ موڑ کر صرف اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ اللہ میں اپنے آپ کو اس طرح شامل کرتا ہے کہ انسانوں کے لئے اس کے دل میں خیر خواہی کے سوا کوئی اور جذبہ باقی نہیں رہتا تو اس وقت اس کی زبان سے اللہ کے لئے جو کلمات نکلتے ہیں اسی کا نام اسمِ اعظم ہے اسی لئے قرآن میں کہا گیا ہے کہو کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے اس کے سب نام اچھے ہیں (بنی اسرائیل) اللہ خالق بھی ہے اور مالک بھی وہ رحیم بھی ہے اور اکبر بھی وہ سب کچھ ہے جس برتر نام سے بھی آدمی اس کو پکارے وہ اس کے لئے جائز ہوگا البتہ پکارنے والے کی زبان سے نکلنے والا ایک لفظ کبھی اس کے لئے اسمِ اعظم بن جاتا ہے یہ پکارنے والے کی کیفیت پر ہوتا ہے اللہ کو اس کی صفتوں میں کسی صفت سے پکارنا کبھی سادہ اور عام حالت میں ہوتا ہے اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ خدا کا نام لیتے ہوئے آدمی کی شخصیت پھٹ پڑتی ہے خدا کا نام لینا اس کی روح میں برپا ہونے والے طوفان کی آواز ہوتا ہے اس طرح دل کے بھونچال کے ساتھ خدا کا نام لینا عام حالت میں اس کا نام لینے سے بالکل مختلف ہوتا ہے وہ اس کی زبان سے ادا ہونے والے اسم کو اسمِ اعظم بنا دیتا ہے بندہ جب اللہ کی عظمتوں کے احساس سے سرشار ہو اور اس کی سرشاری زبان پر لفظ کی صورت میں ڈھل جائے تو یہی اللہ کو اسمِ اعظم کے ساتھ یاد کرنا ہے۔

اخوتِ اسلامی معاشرے کی بنیاد (از خطباتِ حرم)

(امام کعبہ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس ترجمہ محمد عبدالہادی العمری)

"حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں،اسی سے مدد طلب کرتے ہیں،اسی سے ہدایت مانگتے ہیں،اسی سے مغفرت کے طلبگار ہیں اور اسی کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں،ہم پناہ طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اپنے نفس کی شرارتوں اور شیطانی اکساہٹ اور برے اعمال سے،جسے اللہ ہدایت دے،وہی سیدھا راستہ پائے گا اور جسے وہ گمراہ کردے اس کے لیے کوئی رہنما نہیں۔میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے،اس کا کوئی شریک نہیں،اس نے باہمی اخوت و محبت کو اسلام کی خصوصیات میں سے نمایاں خصوصیت اور ایمان کے صحیح ہونے کا لازمی عنصر قرار دیا ہے اور اپنی توفیقِ خاص سے اپنے بندوں کے مابین اختلافات مٹا کر بھائی بھائی بننے کی سعادت بخشی ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں،وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں اور رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں۔آپ ﷺ نے مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی بنایا اور مسلمانوں کو جوڑنے کی بھرپور کوشش کی۔آپ کی زبردست کوششوں سے اللہ نے مسلمانوں کو ایک وحدت کی لڑی میں پرو دیا،تنگدستی کے بعد تونگری عطا فرمائی اور ذلت کے بعد عزت بخشی۔اللہ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتی ہو آپ پر،آپ کی آل اور مہاجرین و انصار صحابۂ کرام پر،تابعین پر اور قیامت تک آنے والے ان سب سعادت مندوں پر جو اسلافِ کرام کے نقشِ قدم پر چلیں۔

برادرانِ اسلام! آپس میں مصالحت کرو، فرمانِ الٰہی ہے:

" اور آپس میں باہمی اصلاح کر لو اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اگر تم مومن ہو۔"

اسلام کی اہم ترین تعلیمات میں سے ایک خصوصی تعلیم اخوت اسلامی اور آپس میں بھائی چارے کی ہے۔ بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہر چند دنیا کے رشتوں کی حیثیتیں اور نوعیتیں جُدا جُدا ہیں لیکن سب سے زیادہ پائیدار اور دائمی محبت کا ضامن رشتہ اسلامی اخوت کا رشتہ ہے۔ جس کی بنیاد دین حنیف پر قائم ہے۔ یہ حالات وحوادث سے متاثر ہوسکتا ہے نہ زمان ومکاں سے ماند پڑتا ہے، بلکہ دنیا بھر کے مختلف علاقوں اور گوشوں میں پھیلے ہوئے فرزندانِ توحید اس دین اسلام کی بدولت ایک ایسی محکم لڑی میں پروئے ہوئے ہیں جسے نہ آندھیاں ہلا سکتی ہیں نہ طوفان ختم کر سکتے ہیں۔ یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی حیثیت ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء جیسی ہے، رسول اکرم ﷺ نے کیا خوب ارشاد فرمایا:

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تھامتا اور مضبوط بناتا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: "مومنوں کی مثال باہمی محبت، رحمت اور ہمدردی میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو باقی سارا جسم اس کیلئے بیداری اور بخار کی اذیت محسوس کرتا ہے۔"

برادرانِ اسلام! اسلامی بھائی چارے کی مثال ایک درخت کی مختلف شاخوں جیسی ہے جو ایک ہی جڑ سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں اور اس کی گھنی چھاؤں میں رنگ، نسل،

علاقائی ،لسانی ،قبائلی اور کنبہ، برادری کی تمام عصبیتیں دم توڑ دیتی ہیں ۔سب مسلمان ایک ہی اسلامی علم کے سائے میں جگہ پاتے ہیں ۔ فرمانِ الٰہی ہے:

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔''

اسلامی معاشرے کی بنیاد عقیدے پر ہے اور اس بنیاد پر قائم ہونے والا رشتہ حسب ونسب اور دوسرے تمام رشتوں اور تعلقات سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے، اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ مادّی اغراض اور ذاتی لالچ سے بالاتر ہو کر اس دینی اخوت کے تقاضے نبھائے، دوسروں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کے جذبات رکھے، اپنے لیے جو چیز پسند کرے وہی دوسروں کیلئے بھی پسند کرے، دوسروں کی خوشی اپنی خوشی اور دوسروں کا غم اپنا غم بن جائے۔ اپنی تاریخ پر نظر ڈالیے ۔اسلام سے پہلے ہماری جو حالت تھی اس کے پیشِ نظر یہ نا قابل تصور تھا کہ ہم ایک وحدت میں اکٹھے ہو جائیں گے اور ہماری قوت اتنی مضبوط ہو سکے گی کہ دشمن خوفزدہ ہو جائے۔اس وقت کے حالات میں یہ بھی ناممکن تھا کہ ہمیں کبھی حکومت اور شان و شوکت مل جائے گی لیکن یہ سب کچھ ہوا اور کیسے ممکن ہوا؟ یہی اخوتِ اسلامی ہے جو اسلام نے عطا کی ہے۔اسلام نے ہمارے دِل و دماغ میں اس کی اہمیت اس قدر راسخ کر دی کہ ہم آپس میں ایک دیوار کی طرح جڑ گئے، ہم ایک اُمت کے طور پر اُبھرے اور ہم نے ایک طاقت و قوم کی حیثیت سے مردانہ وار آندھیوں کا منہ پھیرا طوفانوں کا مقابلہ کیا، صحراؤں کو عبور کیا، سمندروں کا سینہ چیرا، پہاڑوں کو روندا، مخالفین کے حملے نا کام بنائے اور ظالم قوتوں کے ہاتھ توڑ کر باطل کے سارے حربے بے کار کر دیے۔یہ سب کچھ اس اسلامی بھائی چارے

کی بدولت ممکن ہوا جس کی بنیاد رسول اکرم ﷺ نے رکھی۔اس اخوت نے نا قابل فراموش حیرت انگیز مثالیں پیش کیں، جب آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان اس اخوت کو قائم کرتے ہوئے ایک مہاجر کا ہاتھ ایک انصاری کے ہاتھ میں تھما دیا کہ آج سے یہ تمھارا بھائی ہے،ان دونوں کے درمیان سوائے اسلام کے اور کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس انصاری نے بھی اس رشتے کو ایسے نبھایا کہ دنیا اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی، یہ انصاری اس اجنبی مہاجر کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے گھر لے گیا۔اپنی زندگی کا سارا سرمایہ اس کے سامنے خود پیش کر دیا اور کہا: اے میرے بھائی!''یہ میرا گھر ہے، یہ میرا باغ ہے، یہ میری جائیداد ہے۔یہ ......یہ......یہ...... تم آج سے اس ساری جائیداد کے نصف حصے کے مالک ہو!!

ارشاد ربانی ہے:

''اور (یہ مال ان کیلئے ہے)جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اوران (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے،وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو،اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچالیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

لیکن اس کے بعد ہمارے اعمال بدلے، ہماری حالت بدلی، دین کی محبت کی جگہ ہم دنیا کی ہوس کا شکار ہوئے،ایمان کی حلاوت جاتی رہی۔ہم مادّی لذتوں میں ڈوب گئے، دوراندیشی کے بجائے عاقبت نااندیشی میں مبتلا ہوئے، خود تدبیریں کرنے کے بجائے دوسروں کی سازشوں کی زدّ میں آگئے،پھر ہماری قوتیں آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے لگیں۔حالت یہ ہوگئی کہ غیر تو غیر ہم خود اپنوں ہی سے دست بہ گریبان ہو گئے،

بھائی بھائی کا دشمن بنا، قریبی رشتے دار ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے، دنیا کی محبت نے ہمیں ہر ایک سے بے گانہ کر دیا۔ ایک ہی خاندان کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔ بھائی نے بھائی کو دنیا کی ہوس کی خاطر اپنا شکار بنایا، ہم نے گھریلو مسائل کے حل کیلئے قانونی دروازوں پر دستک دی، عدالت سے انصاف کی بھیک مانگنے لگے، پولیس سے مدد طلب کرنے لگے اور یہ سب کچھ اسی فانی دنیا کیلئے ہوا۔ کہیں زمین کا جھگڑا تو کہیں زر پرستی کی لڑائی، زمین اور زر کی محبت نے اپنوں سے جدا کر دیا۔ ایک دوسرے پر جانیں نچھاور کرنے والے سلام دعا سے بھی کترانے لگے، عزیز ترین رشتہ داروں میں دوریاں پیدا ہوئیں، خونی رشتے داروں کے ہاں بھی آمد و رفت موقوف ہوگئی بلکہ ٹیلی فون کے ذریعے بھی خیریت معلوم کرنے کو عار سمجھنے لگے، سالہا سال سے جاری یہ عداوت کسی بڑے سبب سے نہیں ہوئی بلکہ آپس میں محض چند جملوں کی تکرار کا نتیجہ تھی، جگری دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے، پڑوسی پڑوسی کیلئے پرایا بن گیا، بچوں کے کھیل کود میں جھگڑے کی وجہ سے بڑے آپس میں جھگڑ پڑے، حالانکہ بچے چند لمحوں کیلئے کھیلے لڑے اور پھر سے کھیلنے کیلئے اکٹھے ہو گئے مگر ان کے بڑوں نے اس چھوٹے سے مسئلے کو بڑا بنا دیا حتیٰ کہ مستقل دشمنی اور نقل مکانی کی نوبت آ پہنچی۔ کیا یہی اہل ایمان کی محبت اور پہچان ہے؟ کیا یہی اخوت اسلامی کا نمونہ ہے؟ کیا ہم تک رسول رحمت ﷺ کے وہ الفاظ نہیں پہنچے کہ آپ نے فرمایا: ''کسی آدمی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بات چیت چھوڑ دے، دونوں ملتے ہیں لیکن یہ ایک طرف پھر جاتا ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ اور ان میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

''تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم (ظالم کا ظلم کے خلاف ہاتھ پکڑ لو

اور مظلوم سے ہمدردی کرو)۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''انسان کے اعمال ہر پیر اور جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں، ہر اس بندے کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے جس نے اس کے ساتھ شرک نہ کیا ہو مگر وہ دو بھائی جن میں عداوت چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے: انھیں اس وقت تک کیلئے چھوڑ دو جب تک کہ آپس میں خود مصالحت نہ کرلیں۔''

عزیز بھائیو! اگر ہماری آپس ہی میں یہ حالت ہوگی تو ہم دوسرے مسلمان بھائیوں کے سلسلے میں اپنی ذمے داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے غریب ہماری ہمدردی کے منتظر ہیں۔ بہت سے بھوکے ہیں جو فقر و فاقے کی زندگی گزار رہے ہیں اور ہماری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ جو اپنا تن ڈھانکنے کیلئے ضروری لباس سے بھی محروم ہیں، وہ ہمارے فالتو کپڑوں کے پلندوں اور کپڑوں سے بھری الماریوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں جو ہم سے زیادہ دور نہیں رہتے لیکن ان کی فریاد ہم تک کیوں نہیں پہنچ رہی؟ ان کی پکار سے ہم کیوں غافل ہیں؟ بظاہر ہماری طرف سے یہ ان مجبوروں اور بیکسوں کیلئے معمولی سی ہمدردی ہوگی لیکن اللہ رب العلمین کے ہاں اس کا اجر بہت زیادہ ہوگا۔ یہ اخوتِ اسلامی کا عملی مظاہرہ ہوگا کیونکہ اسلامی اخوت کے رشتے نے ہمیں مجاہدین اور مسلم اقلیتوں کے دکھ درد میں سہارا دینے کا سبق دیا ہے۔ میری تمام بھائیوں سے گزارش ہے کہ اپنے سخاوت کے ہاتھوں کو تنگ نہ کرو، اپنی دعاؤں میں اپنے بھائیوں کو ضرور یاد رکھو اور یقین کرو کہ اللہ کی راہ میں دی جانے والی کوئی چیز معمولی اور حقیر نہیں۔

ہمارے وہ بھائی جو سرزمین معراج (فلسطین) میں اپنی جواں مردی اور جرأت و بہادری سے حالات کے آگے سینہ سپر ہیں اگر تم ان کی مالی مدد نہیں کر سکتے تو کیا ان کیلئے دعائے خیر بھی نہیں

کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد دکھائے کہ ارض مقدسہ غاصب کے تسلط سے آزاد ہو۔

"اور اللہ کیلئے یہ (کام) کچھ بھی مشکل نہیں۔" ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور تم اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کی برکت سے مالا مال کرے اور ہم سب کو رسولِ اکرم ﷺ کے طریقے پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔ اللہ ہماری مغفرت فرمائے۔

"سب تعریف اللہ ہی کیلئے خاص ہے، جیسا کہ اس کی ذات کی عظمت وجلال کے لائق اور اس کی عظیم سلطنت کے شایان شان ہے، میں اس کی تعریف کرتا ہوں اس کی بے پایاں کرم فرمائیوں پر اور اسی کا شکر یہ ادا کرتا ہوں اس کے بے شمار احسانات پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی شان بلند ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ اللہ کی مغفرت اور رضوان کے سب سے بڑے داعی ہیں۔ اللہ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتی ہو آپ پر، آپ کی آل، اصحاب اور امہات المؤمنین پر اور تمام پر جو آپ کی پیروی کریں۔"

حمد وصلاۃ کے بعد:

لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جان لو کہ تقوے کا لازمی جزیہ ہے کہ ہم اللہ کی رضا کی خاطر بھائی چارے کا عملی مظاہرہ کریں۔ اپنے اندر اس بات کی عادت ڈالیں کہ دوسروں کیلئے بھی ہم وہی پسند کریں جو ہم خود اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ امام یحییٰ الرازیؒ نے کیا خوب فرمایا:

''تمہارے ذریعے مسلمانوں کو کم سے کم تین فائدے پہنچنے چاہئیں:

1- اگر تم کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ۔

2- اگر کسی کو کوئی خوشی نہیں دے سکتے تو غم بھی نہ دو۔

3- اگر کسی کی تعریف نہیں کر سکتے تو برائی بھی نہ کرو۔''

نوٹ کر لیجیے! اگر ہم اسلامی اخوت کے رشتے کو کمزور کریں گے تو ہمیں ذلت، رسوائی اور شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ بھلا ہم اس رشتہ اسلامی کو کمزور کر کے کامیابی کیسے حاصل کر سکتے ہیں جبکہ دشمنانِ اسلام اپنی صفوں کو متحد کر رہے ہیں، جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے:

''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (اے مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد مچے گا۔''

میرے بھائیو! آپس کی دشمنیوں، نفرتوں اور کدورتوں سے توبہ کرو، آپس میں ایک دوسرے کے ہمدرد، خیر خواہ اور دوست بن جاؤ۔ یہی تمہاری سلامتی اور ترقی کا راز ہے، یہی تمہاری نجات کا راستہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس گفتگو کو سننے کا فائدہ ابھی، اسی وقت فوری طور پر ہوگا، اگر کسی کی آپس میں ناراضگی ہے تو وہ اٹھیں اور ایک دوسرے کو گلے لگا لیں۔ جو اس کارِ خیر میں پہل کرے گا، اجر و ثواب میں وہی سبقت لے جائے گا، زندگی کے لمحات گنے چنے اور محدود ہیں۔

''اور جو اللہ کے پاس ہے وہی بہتر اور پائیدار ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟''

درود و سلام پڑھیے رسولِ رحمت، ہادیِ اُمت، رہبر و رہنما حضرت محمد ﷺ پر۔

جوانی کے دشمن

(ایم انور بن اختر)

اس امر کے متعلق کافی وضاحت سے تحریر کیا جاچکا ہے کہ صحت اور زندگی کی جہاں خوراک سے کافی حد تک وابستگی ہے وہاں دل کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے۔ دل اگر مریض اور کمزور ہو تو اچھی سے اچھی خوراک بھی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اس لئے دل کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ دل کو کمزور کرنے والے اسباب کی جانب سے زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ان اسباب کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ فکر:

دل کو سب سے زیادہ کمزور کرنے والی بلا فکر ہے۔ کئی طرح کا فکر انسان اپنے آپ کو لگا لیتا ہے۔ بعض لوگ تو ماضی کے واقعات اور نقصانات کو بار بار یاد کر کے متفکر رہتے ہیں۔ بعض مستقبل میں آنے والے مصائب کا خیال کر کے خوفزدہ رہتے ہیں۔ انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ پیچھے جو ہو چکا وہ ہو چکا فکر کرنے سے اب کیا حاصل؟ گزرا ہو زمانہ تو اب واپس نہیں آسکتا اور آنے والے زمانے کا پتہ نہیں کہ اس میں کیا تبدیلی ہو جائے۔ جن مصائب سے ہم ڈرتے رہے ہیں وہ نازل ہوں بھی یا نہ ہوں۔ بعض لوگ اپنے جسم کے متعلق ہی فکر کرتے رہتے ہیں کہ ہمارا جسم دبلا پتلا کیوں ہے۔ یہ فلاں پہلوان جیسا کیوں نہیں بن جاتا بعض لوگ اپنی عزت و وقار کے متعلق ہی دکھی رہتے ہیں اور بعض دین اور مذاہب کے پیچیدہ سوالوں کے متعلق ہی پریشان رہتے ہیں۔ یہ تمام تفکرات بے بنیاد اور زندگی کے دشمن ہیں۔

۲۔ مایوسی اور نا امیدی:

ان سے بھی دل پر بہت برا اثر پڑتا ہے اگر کوئی کام ہماری خواہش کے مطابق نہیں ہوتا تو ہمارا مایوس ہو جانا اور ہمت ہار بیٹھنا کوئی جوانمردی نہیں۔ بجائے مایوسی و نا امید ہونے کے ہمیں دگنے اشتیاق اور دگنی طاقت سے اسے سرانجام دینے کے لئے دوبارہ کوشش کرنی چاہئے۔

۳۔ غصہ:

خون کے اندر جتنا زہر غصہ سے پیدا ہوتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے ہوتا ہو۔ خون نہ صرف زہریلا بنتا ہے۔ بلکہ بہت زیادہ غصہ کی حالت میں خون جل جاتا ہے۔ اس لیے غصہ سے ہر حالت میں بچنا چاہئے۔

۴۔ نفرت:

ایک آدمی کے خیالات ہم سے نہیں ملتے یا ایک آدمی کی عادات، حرکات واعمال ہمیں ناپسند ہوں یا ایک آدمی کسی دوسرے مذہب کا پیرو ہے اگر ان وجوہات کی بناء پر ہم اس سے نفرت کرتے ہیں تو اس سے اس کا کیا بگڑے گا۔ ہم اپنے دل میں کانٹا کیوں کھڑا کر لیتے ہیں جو ہمیں چین نہیں لینے دیتا۔ نفرت کرنے سے بھی دل کمزور ہو جاتا ہے۔

۵۔ حسد:

کسی کے جاہ و مرتبہ، زر و دولت، شان و شوکت گھر بار بیوی بچوں کا اپنی حالت سے مقابلہ کر کے اپنے آپ کو کمتر سمجھ کر دوسروں سے حسد کرنے سے بھی دل کمزور پڑ جاتا ہے اس لیے یہ بد عادت بھی ترک کر دینے کے لائق ہے۔

۶۔چغلی:

دوسرں کی برائیاں کرتے رہنے سے اور ایک کی بات دوسرے کے سامنے کرنے سے بھی دل میں کمزوری آتی ہے۔

۷۔عیب جوئی:

دوسروں کے نقائص کی تلاش اور ٹوہ لگاتے رہنا اور دوسروں کی برائیوں پر نگاہ رکھنا بھی دل کو کمزور کرتا ہے۔

۷۔خودغرضی:

جو انسان ہمیشہ اپنی غرض کو ہی سامنے رکھتا ہے اور اپنے نفع کے لیے دوسروں کا نقصان کرنے سے نہیں ہچکچاتا، اس کا دل کبھی مظبوط نہیں رہ سکتا۔اس لئے وہ طویل العمر نہیں ہوسکتا۔

۹۔خیالات کی ناپاکی:

برے خیالات دل کو مریض بنانے والے ہیں بدترین جراثیم ہیں۔ ناپاک خیالات کا مالک کبھی درازعمر نہیں پا سکتا۔

۱۰۔ دھوکہ فریب:

دوسروں سے دھوکہ فریب کرنے والے آدمی کا دل ہمیشہ کانپتا رہتا ہے کہ کہیں اس کے پول نہ ظاہر ہو جائیں۔یہ خوف اسے سداستاتا رہتا ہے اور دل کمزور ہو جاتا ہے۔

۱۱۔نفس کی غلامی:

دل کا بیڑہ تباہ کرنے والی عادات میں نفس کی غلامی نمبر ایک پر ہے۔نفس امارہ کا غلام ہمیشہ پریشان رہتا ہے وہ کئی طرح سے اپنے دل پر ضربیں لگا تا ہے۔یعنی بھاگ دوڑ سے، مال و دولت لٹانے سے،اپنا مادہ منویہ ضائع کرنے سے اپنی بدکرداری کے عیاں ہونے کے خوف سے بدنامی وغیرہ سے اس لیے طویل عمر کے خواہاں انسانوں کا نفس پر قابو رکھنا لازمی ہے۔

۱۲۔جلد بازی:

انگریزی میں ایک مثل مشہور ہے۔ہری (Hurry) وری (Worry) اور کری (Curry) یعنی جلد بازی،فکر و تشویش اور پُر خوری یہ تینوں انسان کی صحت اور زندگی کے دشمن ہیں۔ان تینوں میں جلد بازی کو آگے دکھایا گیا ہے جلد باز آدمی ایک تو جلد بازی کرتے وقت اپنے دل پر کافی بوجھ ڈالتا ہے پھر وہ جلدی میں بڑی خطرناک غلطیاں کر جاتا ہے جس کے باعث اسے ندامت ہوتی ہے۔اس کے دل کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔جلد بازی سے بسا اوقات نقصان بھی ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے دل پر سخت چوٹ ہوتی ہے۔

۱۳۔فضول بحث و مباحثہ:

بعض لوگ سیاسیات مذہب یا دیگر قسم کے مسائل پر بات چیت شروع کر کے بے جا طور پر جوش میں آ کر اور اپنے نقطہ نگاہ کو ٹھیک ثابت کرنے کے لیے گرما گرم طویل بحث و مباحثہ شروع کر دیتے ہیں اس سے دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے اور کمزوری واقع ہوتی ہے۔

۱۴۔حرص:

گناہ کئی طرح کے ہیں اور بے شمار ہیں۔لیکن حرص کو پاپ کا باپ کہا جاتا ہے۔

حریص آدمی جائز ناجائز مناسب غیر مناسب میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔وہ اپنے ضمیر کا خون کر کے جیسے تیسے اپنی مطلوبہ چیز کو حاصل کرنے کے درپے رہتا ہے کہ اس سے دل میں نقاہت پیدا ہوتی ہے۔زیادہ مال و زر والے آدمیوں میں شاید ہی کوئی خوش قسمت انسان ہوگا جس کو مالک کل کی رحمت سے نیک ہدایت ملی ہو اور کافی دیر تک زندہ ہو ورنہ عام طور پر تو نگر آدمی جلد موت کا نوالہ بن جاتے ہیں۔

اول تو کمانے میں وہ اپنے جسم اور دماغ پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں پھر کمائے ہوئے مال کو محفوظ رکھنے میں دماغ سوزی کرتے ہیں پھر نقصان ہونے کی صورت میں یا روپیہ ضائع ہو جانے کی صورت میں ان کے اعصاب پر ایسی کاری ضرب لگتی ہے کہ وہ اس سے جانبر ہی نہیں ہو سکتے اور دنیا سے بڑی چھوٹی عمر میں چل بستے ہیں اس لیے روپیہ کمانے کے خیال کو وبال جان نہیں بنانا چاہئے۔اپنے اخراجات کو کم کرو۔سادہ زندگی بسر کرو، سادہ کھاؤ پیو، سادہ پہنو، اپنی کمائی سے کچھ پیسے بچا کر رکھو تا کہ بیکاری یا بیماری اور بڑھاپے کے وقت کام آسکیں۔

۱۵۔خوف:

کوئی ایسا کام نہ کرو جو خوف پیدا کرے کیونکہ خوف سے دل میں بہت جلد کمزوری آتی ہے۔اگر یک لخت کوئی خطرناک افواہ پھیلے تو کس طرح لوگوں کے منہ زرد ہو جاتے ہیں دل اپنا کام کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔خون کا دورہ کمزور پڑ جاتا ہے۔چہروں پر زردی چھا جانے کی یہی وجہ ہوتی ہے۔

۱۶۔زندگی کے تاریک پہلو:

بعض لوگ زندگی کے روشن پہلو کی طرف نگاہ نہیں ڈالتے اور ہمیشہ تاریک

پہلو ہی دیکھتے ہیں۔اس سے دل میں تازگی اور شگفتگی نہیں آتی ۔ بلکہ افسردگی طاری رہنے سے دل میں سخت کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔

۱۷۔شش و پنج میں رہنا:

جو آدمی مستقل مزاج نہیں ہوتے وہ ہمیشہ متذبذب حالت میں رہتے ہیں ۔ان کا دل بھی مضبوط نہیں ہوتا۔ بلکہ پس و پیش کی عادت دل کو کمزور کر دیتی ہے۔

۱۸۔ چڑ چڑا پن:

چڑ چڑے مزاج کا آدمی نہ کبھی خوش رہ سکتا ہے نہ دل میں استقلال لا سکتا ہے۔اس لیے لمبی عمر پانے کے لیے ان تمام عیوب اور نقائص سے بچنا چاہیے۔تاکہ دل مضبوط رہے اور جسم کو دیر تک کھڑا رہنے میں مدد دے۔آج کل جو ہارٹ فیل ہو کر موت کے واقعات ہو رہے ہیں ان کا سبب مندرجہ بالا بیماریاں ہیں جو آدمی ان کمزوریوں اور خامیوں کو نزدیک نہیں آنے دے گا تندرست رہے گا اور لمبی عمر پائے گا۔

غصہ اور برداشت

(ڈاکٹر اظہر وحید)

غصہ..... کسی ناپسندیدہ واقعے پر اپنی ناپسندیدگی کا ایک بے ڈھب اظہار ہے..

اور یہ اظہار بجائے خود ناپسندیدہ ہے۔غصہ...بشری جبلتوں کے جنگل میں بھڑک اُٹھنے والی ایک آگ ہے۔ایسی آگ جو تہذیب کی بستیاں ویران کر دیتی ہے۔غصہ وجود کی ایک کششِ ثقل ہے۔غصہ انسان کی لطافت کی بہشت سے ہبوط کر کے اسے کثافت کی زمین میں حنوط کر دیتا ہے۔

غصہ اپنی توقعات کے مسخ ہو جانے پر پیدا ہوتا ہے۔یعنی اگر اپنی توقعات کی اصلاح کر لی جائے تو غصے کی اصلاح ممکن ہے۔ توقعات پر قابو پانے سے غصے پر قابو پایا جاسکتا ہے۔توقعات کی کہانی عجب ہے! انسان رہتا زمین پر ہے اور لوگوں سے توقعات آسمانی قائم کر لیتا ہے۔ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق توقعات بڑی فراخدلی سے قائم کرتا ہے حالانکہ لوگوں کا عمل اُن کی اپنی استعداد اور استطاعت کے مطابق ہوتا ہے۔

غصہ ہمیں لوگوں کے اعمال پر آتا ہے یا اُن کے خیال پر..... حالانکہ لوگ اپنے مرتبۂ علمی کے مطابق درست عمل کرتے ہیں۔گویا لوگوں کے عمل کی اصلاح سے پہلے اُن کے علم کی اصلاح کی ضرورت ہے۔بدعلمی بدعملی پیدا کرتی ہے.....اور بے علمی صرف بے عملی!! لوگوں کا اپنے ماحول، علم اور مزاج کے مطابق عمل کرنا عین فطرت ہے اور اُن کے عمل پر غصہ کرنا بدعلمی بھی ہے اور بدمزاجی بھی!!!!

غصہ ہمیں دوسروں کی نیت پر بھی آتا ہے حالانکہ نیت باطن کی کہانی ہے۔ جب تک زندگی کا سانس جاری و ساری ہے، باطن زیرِ ترتیب ہے اور جب تک کہانی کا اختتامیہ ظاہر نہ ہو جائے، اس کے اچھا یا برا ہونے کے بارے میں رائے قائم کرنا جلد بازی ہے۔ ظاہر کے پلیٹ فارم پر کھڑے انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کی نیت کے متعلق ایک اچھی رائے کے علاوہ کوئی اور رائے بھی قائم کرے۔ انسان کی نیت ... مخفی اسرار میں سے ایک راز ہے نیت ربّ اور بندے کے درمیان ایک رمز ہے۔ ربّ کی ذات چاہے تو مخفی کو آشکار کرے، چاہے تو ستار العیوبی کی چادر سے ڈھانپ دے اور خفی کو مخفی ہی رہنے دے۔

ہر شخص کو اپنی فہم و فراست اور شعور کے مطابق سوچنے کا اور پھر اُس سوچ پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔ جب تک وہ کسی دینی اصول یا ملکی قانون کو پامال نہیں کرتا۔ اسی طرح ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہمارے بارے میں اپنی مرضی کے مطابق رائے قائم کرے۔ جھگڑا اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب فکر و عمل کا یہ حق ہم خوش دِلی سے لوگوں کو دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ہمارے باہمی جھگڑوں کا ابتدائی جملہ ہی یہ ہوتا ہے "تم نے مجھے سمجھا کیا تھا؟ اب میں تمہیں سمجھتا ہوں!" یہ جملہ نہیں، بلکہ حملہ ہے۔ دوسروں کی عزتِ نفس پر!!! یہ الفاظ اُن تیروں کی مانند ہیں جن کے سر غرور اور تکبر کے زہر میں بجھے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم دوسروں کی رائے کو بہ زورِ قوت متاثر کرنے کی کوشش کریں... یہ انہیں غلام بنانے کی کوشش ہے اور میدانِ فکر و عمل میں یہ ایک کھلی جارحیت ہے۔ خدمت اور محبت کے بغیر دوسروں کو متاثر کرنا دراصل دہشت زدہ کرنا ہے۔

غصہ ... غرور کا ایک اظہار بھی ہے۔ ہم اپنے تئیں کچھ اصول وضع کرتے ہیں اور لوگوں کے اعمال و افکار کو انہی اصولوں پر جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خودشناسی سے دُوری

کے سبب ہم اپنے غرورِ نفس کو کسی "اصول" کا سہارا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

مہذب دُنیا میں غصہ اس لئے بھی نا قابل قبول ہے کہ غصے کے ساتھ عام طور پر غرور بھی شامل ہو جاتا ہے ..... اور غرور اپنے مخاطب کی توہین سے کم پر مطمئن نہیں ہوتا۔ غصے پر ضبط تہذیب کی پہلی نشانی ہے۔ ایک مہذب انسان اپنے غصے پر اسی طرح قابو رکھتا ہے جس طرح وہ محفل میں اپنے بول و براز پر!!! صرف ایک وحشی آدمی اپنے غصے پر قدرت نہیں رکھتا....وہ اپنے اندر موجود جنگل کے درندے لے کر شہر میں آوارہ گھوم رہا ہوتا ہے۔ طاقت، اختیار اور دولت کسی بھی قیمت پر تہذیب کا بدل نہیں ہو سکتے۔

غصہ... جہالت کی نشانی ہے۔ غصے کا اظہار کرنے والا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ابھی علم کی دُنیا میں داخل نہیں ہوا۔ حقائق سے لاعلم انسان مجبور ہے کہ جا بجا غصے کا اظہار کرتا پھرے۔

غصے اور غیرت میں فرق ہوتا ہے۔ غیرت ایک فطری جذبہ ہے۔ ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت کی طرح!! جب دینِ فطرت کا کوئی اصول پامال ہوتا ہے، تو کوئی بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی فطرت کے مقاصد کی نگہبانی پر اُتر آتا ہے....اپنی ذاتی انا کو خود پامال کرتا ہوا... لیکن اُس کی آنکھوں میں خون نہیں اُترتا، بلکہ اُس کا دِل خون کے آنسو روتا ہے۔ غصے اور سرزنش میں بھی فرق ہے۔ اس لئے سرزنش میں غصہ شامل نہیں ہونا چاہیے...وگرنہ سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے۔ دراصل سرزنش، ڈسپلن قائم رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے... جبکہ غصہ ذاتی اَنا کا اعلان ہے، طاقت کے بل بوتے پر!!! کسی کام کے کرنے کی تحریک یا دوسروں سے کام لینے کا محرک، محبت کا جذبہ ہونا چاہیے، غصہ نہیں! غصہ ایک ردِّ عمل ہے، اور کوئی اچھا عمل، ردِّ عمل سے شروع نہیں ہوتا۔ دوسروں سے کام لینے کیلئے بھی محبت کی طاقت کو استعمال میں لانا چاہیے۔ محبت کی طاقت دیر سے کام کرتی ہے مگر دیرپا

ہوتی ہے۔غصہ ایک شعلے کی طرح بھڑکتا ہے اور وہیں پر ڈھیر ہوجاتا ہے ... راکھ کا!!
دفتروں،مکانوں اور کارخانوں میں ایک دوسرے سے کام لینے کیلئے محبت کی ٹائی (Tie)
باندھنا چاہیے...غصے کی ناٹ (Knot) نہیں!

غصہ فضائی آلودگی کی طرح ہے۔غلطی خواہ کسی کی ہو،فضا سب کیلئے مسموم ہوجاتی
ہے۔غصہ یکطرفہ ہوتو بھی دوطرفہ دِل شکنی کرتا ہے۔

منافقت کی طرح غصہ بھی ہر مفاد پرست کی مجبوری ہے۔مفاد پرست اپنا مفاد
حاصل ہونے سے پہلے منافقت کا طور طریقہ اختیار کرتا ہے اور مال اور مفاد حاصل کرنے کے
بعد اس کی حفاظت میں غُراتا ہے۔وہ بات بات پر بپھر جاتا ہے۔جھگڑا اُس کا ہتھیار ہے،
جس کے ساتھ وہ اپنے مفادات کے دفینے پر پہرہ دینے کیلئے کمر بستہ رہتا ہے۔لالچ کا لقمہ
مزاج میں غرور اور اظہار میں غصہ ضرور پیدا کرے گا۔

صرف مخلص بندہ ہی ہر حال میں غصے سے پاک ہوتا ہے غصے سے پاک ہونے کیلئے
ذہن کا ہر مفاد سے پاک ہونا ضروری ہے۔مفاد ... لالچ کے کچرے میں جنم لیتا ہے۔اور غصہ
مفاد کی گود میں آنکھ کھولتا ہے۔لالچ زدہ آدمی کے مفاد کی پوشاک پر جونہی کوئی قدم رکھتا ہے،وہ
آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔اس کے برعکس اخلاص والا صاحب اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔

غصہ ..... دوسروں کے نامناسب عمل کا ایک فوری ردِّ عمل ہے اور دوسروں کے
عمل پر غیر مناسب ردِّعمل ہمیں بداخلاق کے کٹہرے میں لاکھڑا کرتا ہے۔جس طرح برائی
کے جواب میں برائی کرنے سے برائی ختم نہیں ہوتی، اسی طرح غصے کے جواب میں غصہ
کرنے سے بھی غصہ ختم نہیں ہوتا۔اپنے سے چھوٹوں پر غصہ اس لئے نہیں کرنا چاہیے کہ
چھوٹوں کے کردار میں جھول کی ذمہ داری بڑوں کی ہے۔غصہ کرنے سے پہلے اپنے کردار کا

جائزہ بھی لینا چاہیے، کہیں اپنا کردار ہی چھوٹوں میں منعکس نہ ہو رہا ہو۔ کردار ایک خاموش تبلیغ ہے، جو چلتے پھرتے ہوتی رہتی ہے۔ بُرا کردار نسلوں میں سایہ بن کر پیچھا کرتا ہے۔ جو شخص پہلے ہی غصے کی حالت میں ہو اُس پر تو بالکل ہی غصے میں نہیں آنا چاہیے۔ کیونکہ وہ ایک اذیت میں گرفتار رہیا اور جو شخص اذیت میں گرفتار ہو، اُس پر غصہ نہیں بلکہ رحم آنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اپنا ''غلط'' عمل نہیں چھوڑتا تو ہم اُس کے ردِعمل میں اپنا صحیح اور صالح عمل کیوں ترک کریں!!

غصہ ایک زہر ہے اور اس کا تریاق خاموشی ہے۔ خاموشی.... قوتِ برداشت کا سب سے پہلا مظاہرہ ہے۔ خاموشی کسی غیر مہذب عمل کا مہذب ترین جواب ہے۔ اخلاق کی خشتِ اوّل .... برداشت ہے۔ اخلاقیات کا آدھا راستہ اپنے غصے پر قابو پا لینے سے طے ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے مخالف کو برداشت نہیں کرتا تو وہ اخلاق کے کسی پیمانے پر پورا نہیں اُترتا۔ برداشت کی قوت ہی ایک صاحبِ کردار انسان کی حقیقی قوت ہے .... باطنی قوت ہے .... اور اسی قوت کا حصول اُسے بہادری اور جواں مردی کے ذائقے سے آشنا کرتا ہے۔ ایک معروف حدیث کا مفہوم ہے کہ بہادر، وہ نہیں جو کشتی میں مخالف کو پچھاڑ دے، بلکہ بہادر وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پا لے۔

حضرت واصف علی واصفؒ فرماتے ہیں: ''سب سے بڑی قوت قوتِ برداشت ہے۔'' دراصل غصہ اپنی برداشت کے کم پڑ جانے پر رُونما ہوتا۔ گویا برداشت بڑھ جائے تو غصہ کم ہو جاتا ہے۔ جو برداشت نہیں کرتا، وہ غصہ کرتا ہے۔ اور غصہ کرنے والا فلاح کا کوئی کام نہیں کر سکتا... نہ اپنے لئے اور نہ دوسروں ہی کیلئے۔

اپنے غصے پر ضبط کرنے والا شخص ہی واقعاتِ عالم کا صحیح ادراک کر سکتا ہے۔ اخلاقیات کے تمام سوتے برداشت سے پھوٹتے ہیں۔ برداشت میں کمی اخلاق میں کمی کا پتہ

دیتی ہے۔برداشت کی قوت بااخلاق ہونے کی سند ہے۔جس کی برداشت جتنی زیادہ ہوگی، وہ اتنا ہی بااخلاق ہوگا۔برداشت ثمر بار کرتی ہے....صبر اسے میٹھا کرتا ہے!!!

برداشت دراصل ضبط ہےاوراس ضبط کا صلہ ربط ہے.... ربطِ معنوی! ربط کم پڑ جائے تو رابطے کمزور پڑ جاتے ہیں۔دراصل ضبط اور ضابطوں میں کمزور پڑنے سے انسان ربط اور رابطوں میں کمزور ہو جاتا ہے۔

ایک دانا شخص حقیقت کے قریب ہوتا ہےاور غصے سے دُور رہا دان غصے کی آگ میں بار بار جھلستا رہتا ہے۔دانا آدمی اپنی توقعات کی حقیقت سے بھی آگاہ ہوتا ہےاور کسی دوسرے کی اپنی توقع پر پورا اُترنے کی اہلیت سے بھی بخوبی واقف ہوتا....اس لئے وہ غصے سے دُور رہتا ہےاور غصہ اُس سے دُور!!!

غصہ ظاہر کرنے سے ختم نہیں ہوتا۔غصہ اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک معاف نہ کر دیا جائے۔برداشت کرنا ابتداء ہے...معاف کرنا انتہاء!!! برداشت ظاہر میں کی جاتی ہے، معافی دِل سے دی جاتی ہے۔جب ہم کسی کو معاف کرتے ہیں تو اصلاح کا ایک موقع فراہم کرتے ہیں۔غصے کی آگ بجھانے کیلئے پانی پینے کا حکم ہے۔

غصے سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ غصے کے جواب میں ایک مسکراہٹ دے کر راستہ دے دیا جائے۔راستہ دینے کا عمل دراصل راستہ لینے کا عمل ہے۔غصہ...سدِّ راہ ہے۔مسکراہٹ راستے کشادہ کرتی ہے۔مسکراہٹ...اپنے چہرے کی خوبصورتی کا صدقہ ہے۔اور یہ صدقہ غصے جیسی بلا کو ٹال دیتا ہے۔جب غصہ آنے لگے تو راستہ بدل لینا چاہیے۔ اِس سے راستے کھلے رہتے ہیں...واپسی کے!!! درگزر کرنے راستے واہ گزار ہو جاتے ہیں درگزر کرنے والے پر کوئی دَر بند نہیں ہوتا۔

غصے کی حالت میں انسان اپنا شرفِ انسانی کھو بیٹھتا ہے۔انسان جب آگ بگولہ ہوتا ہےتو اپنے خاکی جوہر سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔انسانی جوہر عاجزی اورانکساری ہے۔ جب انسان غصے کی حالت میں ہوتا ہےتو حالتِ انسانیت سے نکلتا ہوا آگ کی لپٹ میں داخل ہو جاتا ہے،اورآگ کی لپٹ اپنی لپیٹ میں آنے والی ہر شئے کو بھسم کرڈالتی ہے،خواہ وہ کوئی شرف ہی کیوں ہو!!! آدم کا خمیر مٹی سے اُٹھایا گیا اورمٹی کی طینت عاجزی ہے۔اس لئے ابن آدم کی اخلاقی معراج یہ ہے کہ وہ بچھ بچھ جائے۔انکساری .... انسانی شرف کی بلندی ہے۔تکبر اور استکبار آگ کی سرشت میں سرفہرست ہیں۔

دعائے مغفرت

چوک اعظم سے بھائی ڈاکٹر محمد الیاس کی خوش دامن

لاہور سے بھائی خالد اسحاق (بابا جان محمد یعقوب کے بڑے داماد) کے والد

مرکز سے ڈرائیور عبدالخالق کی جواں سالہ بیٹی

نوشہرہ ورکاں سے خادم حلقہ عمران افضل کے ماموں

ملتان سے محمد ارشد کے سسر

ملتان سے یٰسین غفار کے چچا

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
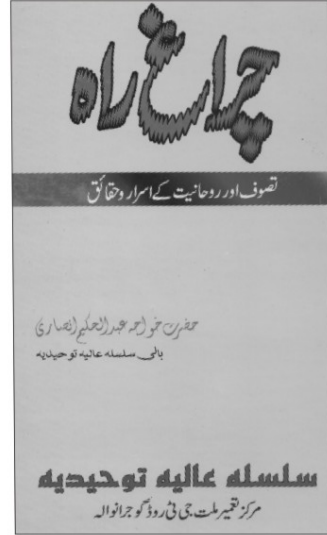
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
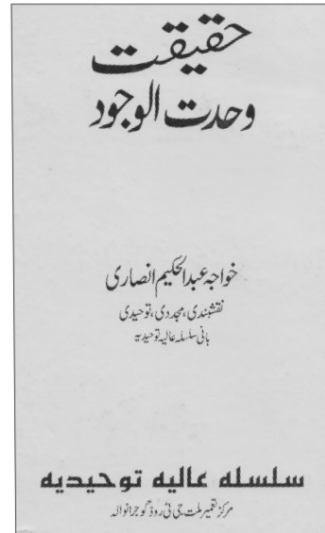
سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
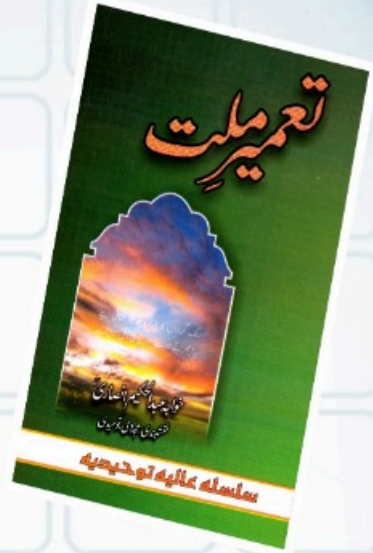
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com